ان ھذا لھو البلاء المبین

شہیدوں کا بڑا احسان ہے دنیا کے ایمان پر
مٹا کر اپنی ہستی نقش باطل محو کر ڈالے

مصنفہ مولانا السید اختر علی صاحب اختر شاہجہانپوری (مولوی فاضل منشی فاضل)

حسب فرمائش جناب مولانا مولوی السید حامد حسین صاحب قبلہ

باہتمام احقر العباد محمد جواد مالک و مہتمم مطبع

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپی

تعارف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد وآلہ الطیبین المعصومین واصحابہ المنتجبین من یومنا ھذا الیٰ یوم الدین

اما بعد روحانی نقطۂ نظر سے شہادت جناب امام حسینؑ کا مسئلہ جسقدر اہم اور مفید ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہین ہے۔ ہماری زندگی کا ہر شعبہ اسکے اخلاقی تاثیرات کا منت پذیر ہے ہمارے قومی و مذہبی وجود کی رفیع الشان و باعظمت عمارت صرف معرکۂ کربلا کی روحانیت پر قائم ہے۔ شیعیت کے مٹانے کی جس قدر مستقل کوششین سواد اعظم کی طرف سے کی گئین انکا مقابلہ معمولی قوتون کے چند بے دست و پا نفوس نہین کر سکتے تھے۔ یقیناً ہماری قلیل التعداد جماعت کا ان مخالفانہ کوششون کے مقابلہ مین کامیاب رہنا شہید کربلا ہی کے روحانی تصرفات کا عجیب و غریب کرشمہ ہے ایسے عظیم الفوائد کثیر المنافع واقعہ کے مختلف روحانی و اخلاقی پہلوؤن پر ضخیم و ضخیم تصنیفین تیار کی جا سکتی ہین وہ قومین جن کا محبوب ترین مشغلہ علمی کد و کاوش اور تاریخی بحث و جستجو ہے اگر اس شہادت عظمیٰ سے کوئی مذہبی یا تاریخی تعلق رکھتی ہوتین تو آج آپ دیکھتے کہ اس مسئلہ پر ان کے ہان کتنا وسیع و سنجیدہ ذخیرہ موجود ہوتا۔

خدانخواستہ تحریر بالا سے میرا یہ مدعا نہین ہے کہ شیعی فضلا اسطرف متوجہ نہیں ہوے۔ یقیناً انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت معقول ہے۔ مخالفین کے اعتراضات نہایت عمدہ پیرایہ میں دفع فرمائے ہیں

مگر تاہم اِس مسئلہ کی اہمیت دیکھتے ہوئے یہ جو کچھ ہوا وہ کم ہے انصاف یہ ہے کہ مبحث شہادت ابتک تشنہ ہے۔

زندہ قوموں کو دیکھئے اپنے معمولی مذہبی و قومی پیشواؤں کے فضائل و کمالات کے نقوش کس قدر خوبصورتی اور مستعدی سے صفحات تصانیف پر اُبھارنے کی کوشش میں سرگرم ہیں۔ ان کے اخلاقی و علمی تصاویر کے خط و خال کھینچنے مین کسقدر تندہی اور مشقت سے ہمہ تن جد و جہد بنے ہوئے ہین۔

اُن کے مقابلہ میں اپنی قوم کے افراد پر نظر ڈالئے۔ کتنے ملیں گے جو کسی اچھی تصنیف کیلئے اپنے آرام کی چند راتین جاگ کر کاٹنا پسند کریں۔

اِس عام قومی بیحسی کے زمانہ میں اگر بعض افراد عُزلت کے گوشون مین مشغلۂ تصنیف و تالیف میں مصروف نظر آئین تو یہ ایک مردہ قوم کیلئے کچھ کم باعث امتنان نہین ہے۔

میری عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی صاحب مسئلۂ شہادت پر ایک سیراب کن تصنیف سنجیدہ لٹریچر میں لکھتے مجھے خوشی ہے کہ میرے فاضل دوست جناب مولوی اختر علیصاحب فاضل شاہجہانپوری نے (جنکی اعلی قابلیت اور دماغی تفوق کو اساتذۂ کرام بھی تسلیم کئے ہوئے ہین) ایک حدتک میری اِس خواہش کو پورا کردیا۔ گو مین یہ نہین کہہ سکتا کہ یہ رسالہ سیراب کن ہے مگر تاہم جس مقصود کو مد نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اُس لحاظ سے یہ ضرور ایک کامیاب رسالہ ہے

کیا اچھا ہوتا اگر مصنف جلیل اِس رسالہ کا دائرہ بحث صرف دفع اعتراضات تک محدود نہ رکھتے بلکہ زیادہ مناسب ہوتا اگر حضرت امام حسین کی سوانح عمری کافی تفصیل سے لکھتے۔ واقعات شہادت کا تذکرہ کرتے ان سے جو اخلاقی خوبیاں اخذ ہوتین وہ افادہ کی حیثیت

سے رسالہ میں ایک خاص چیز قرار پائیں اگرچہ اس صورت میں کتاب کا حجم بہت زیادہ بڑھ جاتا لیکن پھر یہ ایک نہایت بیش قیمت علمی کارنامہ جناب ممدوح کا قرار پاتا۔

یہ میں جانتا ہوں کہ فاضل مصنف کو اپنی صحت کی طرف سے اطمینان نہیں اور آئے دن کچھ نہ کچھ شکایت ضرور رہتی ہے اس کے علاوہ موصوف کے لئے اور دوسرے ضروری مشغلے بھی ہین لیکن اِن باتوں کے باوجود بھی وہ ضخیم تصانیف کے فرائض سے (اگر پابندی اوقات کی زحمت گوارا فرمائین) نہایت عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہوسکتے ہین۔

یہ ایک مسلم امر ہے کہ مذہبی تدقیقات اور عقلی تحقیقات فی نفسہ عوام کے لئے زیادہ دلچسپ نہین ہوتین ۔اس لئے ان مباحث پر قلم اُٹھانے والے کا فرض ہے کہ وہ خیالات کی متانت قائم رکھتے ہوے عبارت وطرز ادا کے دلچسپ بنانیکی کوشش کرے ۔مجھے بڑی خوشی ہے کہ میرے دوست فاضل محترم کی حقیقت شناس نگاہین عام مقبولیت کے اس نکتہ تک پہونچگیئین موصوف نے اِس کا پورا خیال رکھاہے کہ ان خشک مضامین مین زبانکی لطافت وشیرینی سے کافی دلاویزی پیدا کردین ۔ کوئی شک نہین کہ جناب مصنف نے ان متین اور فلسفیانہ مباحث کو جو لطیف لباس پہنایا ہے اُس سے اِس رسالہ کی شان دوبالا ہوگئی ہے ۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین جنکا ادبی مذاق سلیم نہیں ہوتا زبان کے دلچسپ بنانے کی خاطر حدود اعتدال سے تجاوز کرجاتے ہیں اور اسطرح مضامین کی شان متانت بالکل گر جاتی ہے ۔مگر میرے فاضل دوست کے ادبی مذاق کی بلندی نے اِس رسالہ کی زبان مین یہ نقص نہ پیدا ہونے دیا جس جگہ فاضل مصنف کو فلسفیانہ مضامین پر ضمناً اظہار خیالات کا موقع ملاہے وہان خصوصیت سے

زور قلم بڑھ گیا ہے۔

مسئلۂ بکا پر جس عمدگی و سنجیدگی سے بحث کی ہے وہ انکا خاص حصہ ہے۔ اس بحث کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ممدوح کا دماغ مذہبی و قومی غیر اعتدالی تعصبات سے پاک ہے۔ جناب موصوف نے کامل احتیاط کیساتھ عقلی دلائل سے نتائج اخذ کرنیکی کوشش کی ہے اسی لئے جہان مخالفین کے معاندانہ اعتراضات کے معقول جواب دیے ہیں وہاں اپنے فرقہ کی بعض اعتدال سے بڑھی ہوئی خرابیون کی طرف بھی کافی اشارہ کر دیا ہے۔

اِس رسالہ میں فاضل مصنف نے تقریبًا اُن تمام اعتراضات کا شافی جواب دیدیا ہے جو مخالفین کی طرف سے شہادت جناب امام حسین علیہ السلام پر وارد کئے گئے ہین۔

البتہ مبحث عزاداری پر ابھی اور تفصیل کی ضرورت تھی بہت سے ناجائز امور جو اس پردہ مین رواج پا چکے ہین اُنسے جناب موصوف نے صرف اجمالی تعرض کیا ہے حالانکہ انپر ایک مفصل تحریر کی ضرورت تھی بہرحال تمام حیثیتون کو مدنظر رکھتے ہوے مین یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ یہ رسالہ ہمارے قومی اور مذہبی کارنامون مین ایک مفید اضافہ ہے۔ خدا کرے ہمارے محترم اور قابل فخر دوست مین اتنی ہمت پیدا ہو جائے کہ وہ ہمیشہ مختصر رسالون سے نہین بلکہ مستقل اور ضخیم کتابون سے اِس مفید میدان مین جو ہماری قومی کمی ہے اِسکے پورا کرنے کی کوشش فرمائین

مگر اسکے لئے قوم کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ جناب ممدوح کی ہمت افزائی کرے۔ ایک شاعر یا ایک مصنف کے دماغ و قلم اُسوقت زیادہ جوش سے سرگرم عمل ہوتے ہین جب سخن شناس اور نکتہ سنجون کی جماعت جائز تحسین کے صرف مین بخل سے کام نہین لیتی

احقر الکونین حامد حسین رضوی عشروی۔ ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول ایٹہ

تہدیہ

ایک گدائے بے سروسامان عقیدت خلوص کے چند جواہر رسالہ کی صورت میں منتظم کر کے قبولیت کی ہزاروں تمنائیں دل میں لے شاہ اورنگ نشین شہادت کی بارگاہ میں پیشکش کرنے آیا ہے۔ گو وہ جانتا ہی کہ عالم مادی کی کوئی متاع کاسد اُس بارگاہ نزہت آفریں کے (جہاں جمال ایزدی نور کا فرش بچھائے ہے) قابل ہدیہ نہیں۔ مگر تاہم اُس بارگاہ کے مالک جواد کی شان مسکین نوازی دیکھتے ہوئے اِس نذر محقر کو نیازمندانہ ہاتھوں سے پیش کرنیکی جسارت کر رہا ہے۔ اے منزل شہادت کے خورشید تاباں! تو اپنی قبولیت کے نورانی شعاعوں کے دامان شرف میں اِن موتیوں کو جگہہ دے کہ دُنیا کہہ اُٹھے

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
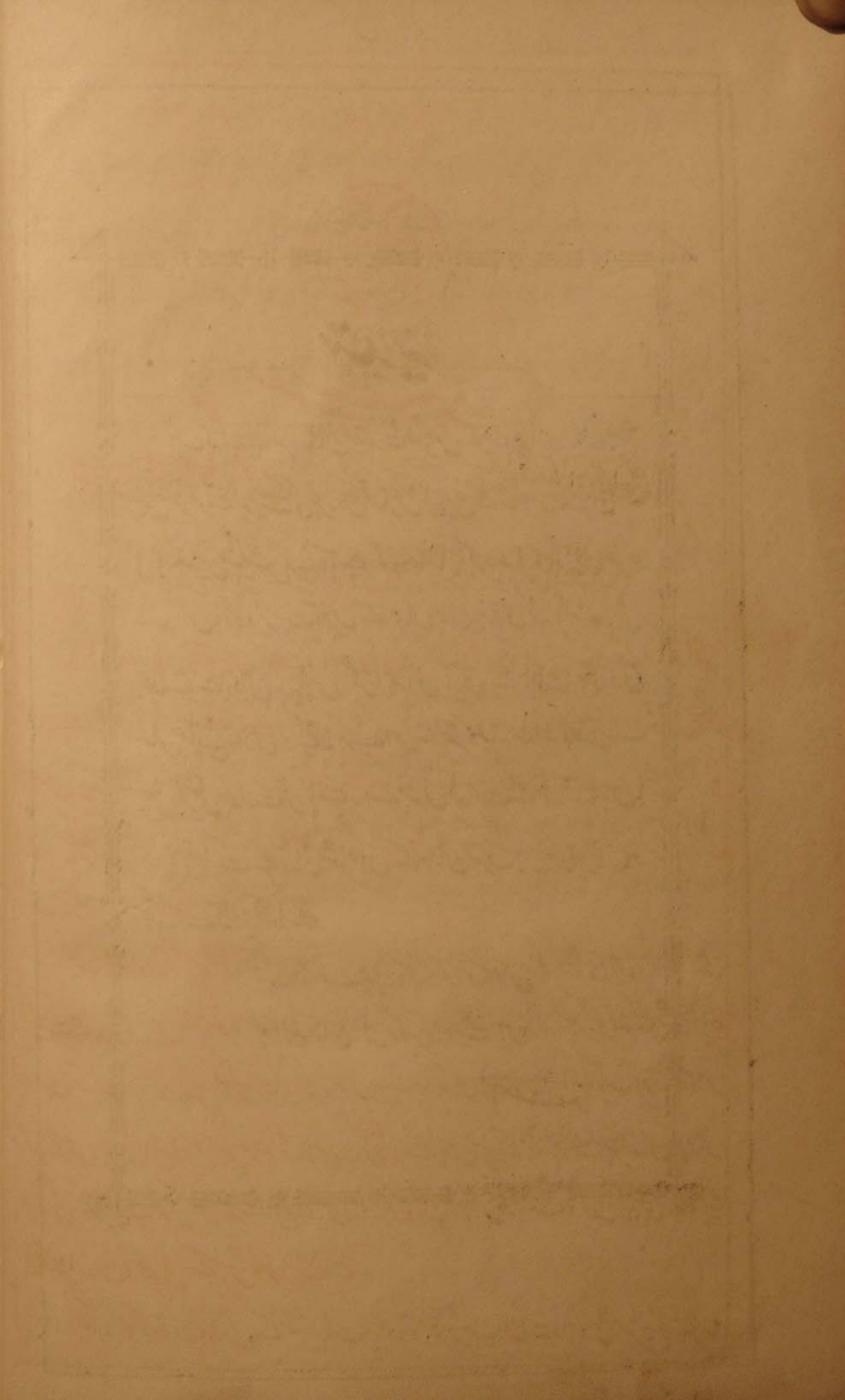
اختر
(شاہجہانپوری)

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ

المعصومین من یومنا ھٰذا الیٰ یوم الدین اما بعد

(۱) انسانی ہستی میں مختلف قوتوں کا باہمی تضاد جس نمایاں حیثیت کے ساتھ نظر آتا ہے وہ جنس حیوان کے دوسرے افراد میں نہیں دیکھا جاتا۔ انسانی تعمیر میں دو قوتوں کو خاص امتیاز حاصل ہے، روحانیت، مادیت، ان کے مقتضاآت ایک دوسرے بالکل علیحدہ ہیں۔ ہر شخص اپنی اندرونی کشمکشوں کا مطالعہ کر کے اس کا تجربہ کر سکتا ہے کہ یہ دونوں قوتیں کس طرح ایک دوسرے سرگرم پیکار رہتی ہیں۔

بسا اوقات اگر ہماری آنکھیں کسی ایسی خوشنما و دلفریب چیز کو دیکھتی ہیں جو ہماری ملکیت میں داخل نہیں ہے تو ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس پر کسی نہ کسی طرح اپنا دست تصرف دراز کریں، لیکن معاً اس خیال کے ساتھ ہی، باطن میں ہم ایک آواز محسوس کرتے ہیں جو اس ناجائز ارادہ پر ہم کو ملامت کرتی ہے اس قسم کے مشاہدات ہر انسان کو اپنی زندگی کے مختلف لمحوں میں ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح ان دونوں مخالف قوتوں کی باہمی معرکہ آرائیوں کا منظر انسانی آنکھوں کے پیش نظر رہتا ہے۔

لیکن چونکہ قوت مادی کے مقتضیات زیادہ تر نظر فریب لذات دنیوی کا سرمایہ ہوتے ہیں

اور اُسکے برخلاف روحانیت کے مقتضیات ظاہری عیش و سطحی مسرت سے محروم کرنے والے ہیں اسلئے انسانی گروہ کے اکثر افراد مادیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس قوت کی تکمیل میں ان کو اس درجہ انہماک ہوتا ہے کہ روحانیت کی دھیمی مگر متین آوازیں ان کے اِس مہلک رجحان کو حدِ اعتدال پر لانے سے قاصر رہتی ہیں۔ تاریخ کے اوراق تجربہ کے فیصلے شاہد ہیں کہ مادیت کی نشہ آور کیفیات عیش پرستی کے مجنونانہ جذبات انسانی قلوب کو اتنا مسحور بنا لیتے ہیں کہ وہ روحانیت کے غیر فانی مسرتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتے۔ انسانی فطرت کا یہ رجحان ہمیشہ محاسن اخلاق اور حقیقی امن و سکون کے لئے سم قاتل ثابت ہوتا رہا ہے

(۲) دنیا کی کسی لڑائی کسی عظیم تصادم کا نظر عمیق سے مطالعہ کیا جائے۔ فریقین جنگ میں سے کسی نہ کسی جانب اسباب کے باریک پردہ میں اسی مادیت کی آفریدہ عیش و نشاط کی تمنائیں مسکراتی نظر آئینگی انسان شرافت نوعی کا مدعی ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُسکے وجود کا کاشانہ عقل کے نورانی چراغ سے فروزاں ہے۔ اُس کا اعتقاد ہے کہ گو وہ جنسی حیثیت سے حیوان ضرور ہے لیکن اسکی یہ حیوانیت روحانیت کی آمیزش سے نہایت ہی شریف و ممتاز شے بن گئی ہے لیکن کس قدر شرم کا مقام ہے کہ ایسے بلند دعوے کرنے والا انسان نفس امارہ کی خفیف سی جنبش ابرو پر مادیت کی ادنی سی تحریک پر انسانیت کا پیراہن پرزہ پرزہ کر دیتا ہے اپنے سے اعلےٰ و اشرف افراد کے معصومانہ خون سے سطح زمین لالہ زار بنا دیتا ہے۔ اِس کا وہ سارا دعوائے افتخار وہ سارا شرافتِ نوعی کا غرور رذالت عمل کی خرابیاں دور کرنے سے عاجز رہتا ہے۔

(۳) رجحان مادی کا پیدا کیا ہوا یہ عملی تنزل صرف تہذیب و معاشرت ہی کیلئے برق آفت نہیں ثابت ہوتا ہے بلکہ دماغی دنیا میں ایک نہایت ہی خطرناک انقلاب پیدا کر دیتا ہے وہ اُصول وہ نظرئے جو فی الحقیقت صداقت کی جان ہوتے ہیں ان کو خود غرضانہ تاویلات کا ظلمت آفرین پردہ نظروں سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔ مادی قوتوں کا طوق عبودیت پہن لینے والا ہر فرد اس کوشش میں محو نظر آتا ہے کہ وہ اُصول اختراع کرے وہ نتائج خود ساختہ مقدمات سے

اخذ کرے جو اُسکی عملی رذالت کی پردہ دری نہ کریں۔ ایسی حالت میں دماغ اپنے افعال ادراکیہ آزاد رہکر پورے نہیں کرنے پاتا۔ نفس اسکے ادراک کے پیروں میں غلامی عمل کی خوشنما زنجیر ڈالدیتا ہے۔ اِس حالت کا پیدا ہونا مادیت وضلالت کا عروج کامل، روحانیت و معرفت کا انتہائی انحطاط ہے۔

(۴) اِس قابل عبرت پستی انسانی کا نظارہ اُس مقدس غیر فانی ذات کے مربیانہ لطف و شفقت کو تحریک میں لاتا ہے جس کی فیاض خالقیت کا ہمارا وجود منت کش ہے وہ دنیا پر مادیت کے اس خوفناک اقتدار کو دیکھکر روحانیت میں ڈوبے ہوئے نفوس بھیجتا ہے ان ذوات قدسیہ کے قلوب ہمدردی انسانی کے شریفانہ جذبات سے لبریز ہوتے ہیں۔ اُن کا ہر ارادہ اُن کا ہر عزم ثبات واستقلال کے جوہر سے معمور ہوتا ہے۔ اپنے ابنائے نوع کی زبونی حالت کا استیصال کرنا اُن کا واحد و مستقل نصب العین ہوتا ہے اس اعلیٰ و پاکیزہ مقصد کی انجام دہی میں ان کو مادیت کی جانب سے جسقدر ہمت شکن دقتیں پیش آتی ہیں جسقدر جرات آزما مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اُسی قدر وہ اُن کے لئے مزید جوش عمل و تجدید ولولہ کار کی تمہید ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا ہر قول ہدایت وارشاد کا سرچشمہ ہوتا ہے ان کا ہر فعل مکارم اخلاق کا مخزن۔ وہ اپنے پر اثر مواعظ سے اسکی تبلیغ کوشش کرتے ہیں کہ نوع انسانی کے یہ مادی رجحانات اصلاح پذیر ہوجائیں۔ اُن کے قلوب میں روحانیت اپنی حقیقی پوزیشن (مرتبہ) پر قائم رہے وہ موثر الفاظ میں دنیا کو اسکی دماغی غلطیاں عملی کمزوریاں بتلاتے ہیں تاکہ وہ اپنے دامن روحانیت سے اِس مادی رذالت کی نجاست دور کرسکے۔ اُنکا یہ روحانی مشن اُن کے جان و مال کیلئے ہر قسم کے خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

(۵) غور تو کرو وہ دنیا جسکا دماغ روحانیت کے تصور سے محروم ہوچکا ہے۔ جس کی نگاہ میں حیات انسانی کا منشا صرف لذات دنیوی سے تمتع حاصل کرنا رہ گیا ہے۔ اپنے افعال کی نکتہ چینی اپنے خیالات کی تغلیط کیونکر نظر پسندیدگی سے دیکھے گی۔ اُس کی تو کوشش

یہ ہوگی کہ ایسے خیر اندیش نکتہ چینیوں کا خاتمہ کر کے اپنے نفس کی تنقیص سے نجات حاصل کرلے۔ خواہ اسکے اِس عمل سے مادی طوفانات کتنے ہی تیز و تند کیوں نہ ہو جائیں۔

دنیا، مادی عشرتوں اور فانی لذتوں کی غلام دنیا، ان کو اپنا دوست کیونکر سمجھ سکتی ہے۔ جو اسکو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی عیش و عشرت سے دستکشی کرلے، وہ تو اپنی مادی خواہشوں کے راستہ میں ان کو ایک خوفناک روک سمجھے گی اور اسلئے اِن مقدس نفوس پر ہر طرح کے مظالم جائز رکھے گی۔ اپنے خیال میں شدید سے شدید مصائب میں مبتلا کرے گی۔ موقع ملنے پر اُن کے قابل احترام خون سے ہاتھ تر کرنے میں دریغ نہ کریگی۔

(٦) چونکہ مادیت کے اصلی مظاہر محبت مال و محبت نفس و محبت اولاد ہیں اس بنا پر ایسی کشمکش کی صورت میں اُن ذوات مکرمہ کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مادیت کا زور دبائے روحانیت کا اقتدار بڑھانے کی خاطر اپنے عمل سے اسکا ثبوت دیں کہ یہ اُمور اس قابل نہیں ہیں کہ انسان ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے حقیقی فرائض گلدستہ طاق نسیان بنادے حقیقی فرائض کے انجام دہی کے مقابلہ میں یہ اُمور بالکل ہیچ و بے وقعت ہیں۔ اِس لئے جب مخمور مادیت ان نفوس کے مال و متاع پر دست غصب و تعدی دراز کرتے ہیں تو وہ نہایت اطمینان سے اِس آزمائش کا بکمال خندہ پیشانی خیر مقدم کر کے ثابت کر دیتے ہیں کہ دنیوی مال و متاع حقیقت شناسی و یزداں پرستی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس آزمائش کی تکلیفوں کو جب وہ یوں کامیابی سے جھیل جاتے ہیں تو مادیت اپنے زعم ناقص میں اس سے زیادہ خوفناک حربہ ان کے پست کرنے کے لئے اُٹھاتی ہے۔

محبس جفا و زندان بلا میں ان کو بند کر کے جسمانی عیش و راحت سے محروم کر دیتی ہے مگر وہ نفوس قدسیہ اِس حربہ کے لئے بھی اپنے سر ایک حیرت انگیز استقلال کے ساتھ پیش کر کے یہ واضح کر دیتے ہیں کہ روحانی فرائض بجا لانے کے مقابلہ میں مادی نشاط و جسمانی عیش کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ روحانیت کامیابی کی جب یہ آزمائشی منزلیں اس خوش اسلوبی سے

طے کر لیتی ہے تو پھر مادیت کی برافروختگی جنون میں تبدیل اور قابل نفرت وحشتناک خونیں مظالم کے طوفان برپا کر دینے پر مستعد ہو جاتی ہے۔ اُن قابل پرستش نفوس کی اولاد ذبح کرتی ہے ان کے محبوب ترین اعزا و احباب کے گلوں پر خنجر پھیرتی ہے۔ خود ان کے باعث برکت سر تن سے جدا کرتی ہے، مگر وہ روحانیت کے شیدائی اس دار و رسن شمشیر و خنجر کے جان گسل ابتلائے عظیم کو ایک بے پروایانہ تبسم کے ساتھ برداشت کر کے قلوب اہل دنیا پر یہ نہ مٹنے والا نقش جما دیتے ہیں کہ حامیان حق و صداقت کے مقاصد کی پاکیزگی ایسی نہیں ہے کہ وُہ مادی تعلقات کی آلودگیوں سے نجس ہو سکے۔ جس منزل کی جستجو میں وہ سرگرم سفر ہوئے ہیں اس تک پہونچنے میں ان کے لئے محبت نفس و محبت اولاد خار راہ نہیں بن سکتے۔

(۷) نافہم دنیا اپنے زعم ناقص میں مادی مظالم کے اسلحہ سے روحانیت کو شکست دینا چاہتی ہے مگر قدرت ایزدی کا یہ قابل عبرت کرشمہ ہے کہ وہی مظالم اس کی امیدوں کے برخلاف روحانیت کے عروج کا سبب بنتے ہیں۔ روحانیت پرست نفوس کا ان تشددات کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا انجمن مادیت کی رونق کا مٹانا روحانیت کے چہرہ پر زمانہ کی نامساعدت سے جو بظاہر گرد و غبار جم گیا ہے اس کا دور کرنا ہے۔ مادیت کے مظالم جسقدر ترقی پذیر ہوتے ہیں اسکے جور و ستم جہانتک خوفناک صورتیں اختیار کرتے ہیں اسی قدر ان قابل اقتدا نفوس کو اسکا موقع ملتا ہے کہ وہ روحانیت کی اعلےٰ قوتوں کو دنیا سے روشناس کرائیں۔ ان کے معصوم گلوں پر جب مادیت کے بیرحم ہاتھ خنجر بیداد پھیرتے ہیں تو اسوقت ان کو اپنے اعلیٰ فرائض انجام دینے کا نادر موقع دستیاب ہوتا ہے۔

اس ابتلائے عظیم (شہادت) کی چند لمحوں کی ہمت آزما تکلیفوں کا کشادہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لینا قالب روحانیت میں وہ روح حیات پھونکتا ہے جبکو مادیت کی بڑی سے بڑی پُر عداوت کوششیں ایک لحظہ کیلئے مضمحل نہیں کر سکتیں۔

(۸) مادیت و روحانیت کی ان خوفناک کشمکشوں سے تاریخ عالم کے صفحات بھرے پڑے ہیں

زمانہ کا ایسا کوئی دور ابتک وجود میں نہیں آیا جس کا دامن اس قسم کے تشاجرات و تنازعات کے بدنما داغوں سے صاف رہا ہو۔ مادیت کے گستاخ ہاتھ روحانیت کا گریبان پرزہ پرزہ کرنیکی ہمیشہ کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جہانتک مظالم کی مدد سے روحانیت کے دبانے کی کوشش کی گئی اُتنا ہی وہ اور اُبھری۔ مادیت نے مظالم کے انتہائی دہشتناک بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا لیکن روحانیت کے صبر و رضا کی قوتیں بجائے سرنگوں ہونے کے اور بلند ہوئیں حتی الامکاں مادیت ہمیشہ نئے جوش و خروش سے اپنے تمام شیطانی قوتوں کا لشکر لیکر اس ارادہ سے اُٹھی کہ روحانیت کا نام صفحہ ہستی سے میٹ دے لیکن جسقدر اسکا یہ روحانیت کش ارادہ زبردست ہوا اسیقدر اسکو شکست فاش نصیب ہوئی

(۹) عرصہ سے دل چاہتا تھا کہ ان قابل عبرت کشمکشوں کی ایک مکمل فہرست تیار کیجاتی جملہ شہدائے راہ خدا کی خونین داستانیں ضبط تحریر میں لائی جاتیں۔ اور اس طرح موجودہ دنیا کی نظروں کے سامنے وہ عبرتناک سین پیش کیا جاتا جو حقیقت بین نگاہوں کے لیے سامان بصیرت ہوتا اس ارادہ سے تاریخ شہادت کے ابتدائی اور انتہائی جملہ ابواب کا گہرا مطالعہ کیا۔ ہر ایک فرد شہادت کی خصوصیات سمجھنے کی پوری کوشش کی۔ حضرت اسمعیلؑ۔ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ کے واقعات پر نظر غائر ڈالی لیکن اس تمام تاریخی تحقیق و تفتیش نے مجھپر یہ حقیقت منکشف کی کہ عام جزئیات شہادت کی تلاش میں سرگرم جستجو ہونا دنیائے اسلام کے لئے قطعاً غیر ضروری ہے قدرت نے شہادت کا وہ مکمل و جامع منظر ۶۱ھ میں دنیا کو دکھلا دیا ہے جسکے بعد ہماری نگاہ مطالعہ کو اُس سے پہلے دوروں کی تاریخ شہادت کے سیر کی حاجت نہیں رہتی

اس مکمل شہادت کی شان امتیازی نے ان تمام خصوصیات کو اپنے روحانیت آفریں وجود میں جذب کر لیا ہے جو پچھلے دوروں میں جدا جدا مختلف جزئیات شہادت کے تمیزی خط و خال رہے ہیں۔ پچھلی شہادتیں اس آنے والی فیصلہ کن شہادت کی گویا تمہید تھیں۔ وہ سب غیر مکمل ابتدائی نقوش تھے اور یہ آخری مگر ہر طرح سے ایک مکمل نقش۔

(۱۰) دسّ محرم ۶۱ھ کے دن مادیت نے اپنا ایسا ایک خوفناک حربہ روحانیت کے سر پر آزما دیکھا۔ قہر وستم کی کوئی بجلی ایسی نہ چھوڑی جو اُسکے نشیمن پر نہ گرائی ہو۔
ریگستانِ عرب میں نینوا کا وہ چٹیل میدان موسم گرما کی وہ انتہائی دماغ پگھلانے والی گرمی اور اسپر ایک ناقابل برداشت مدت تک آب وطعام کا بند رہنا۔ مخدرات عصمتؑ وطہارتؑ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ احباب باوفا عزیزانِ باصفا کا آنکھوں کے سامنے خون کی چادروں میں ہمیشہ کے لئے مخفی ہو جانا۔ اُسی شدّتِ جوع وعطش کیحالتمیں جگر گوشگانِ رسالت کا برچھیاں کھانا اور پھر ان تمام مصائب کا تتمہ اس امر پر ہونا۔ کہ ایک مجسّمہ شقاوت ہستی نہایت گستاخی وبے شرمی کے ساتھ لشکر شیطانی سے نکلے اور ایک فخر روحانیت معصوم انسان کا سر تن سے حالت سجدہ میں جدا کر کے انسانیت کا جگر چاک چاک کردے۔ یہ مصیبتیں گو انفرادی حیثیت سے بھی کافی عظمت رکھتی ہیں لیکن انکے اجتماع نے اس شہادت کو عروج کے اس انتہائی نقطہ پر پہونچا دیا ہے جس سے بڑھکر عقل انسانی کوئی اور درجہ فرض نہیں کر سکتی۔

(۱۱) میدان کربلا میں جناب امام حسین علیہ السلام نے بہتّر ساتھیوں کے ساتھ مادیت کا مقابلہ کیا ہے اور اسکے خوفناک حملوں کو صبر وشکر کے اسلحہ سے مسترد کر کے اسکو شکست فاش دی ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر جناب امام حسینؑ افواج مادیت کے سپہ سالار یزید سے اسکی خواہش کے مطابق بیعت کر لیتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مادیت کو عظیم الشان کامیابی نصیب ہوتی۔ جناب محمد مصطفےٰ صلعم نے اپنے مواعظ وہدایات سے روحانیت کا جو نور دلوں میں پیدا کر دیا تھا وہ بالکل مفقود ہو جاتا۔ نفس پرستی وہوا پرستی کے سیاہ بادل اخلاقیات کے مطلع پر ایسے چھاتے کہ ہمارے لئے رذائل وفضائل میں تمیز کرنا مشکل ہوتا۔ جناب امام حسینؑ کا بیعت کر لینا ثبوت ہوتا اس امر کا کہ یزید سچے معنوں میں خلیفہ ہے اور اسطرح اُسکے جملہ افعال شنیعہ کی حقانیت کی یہ ایک سند ہو جاتی۔ شرابخواری وزناکاری

وجور وستم پر عامۃ الناس نظر نفرت ڈالتے ہوئے جھجکتے۔

(۱۲) یہ سچ ہے کہ مادیت نے اس شکست عظیم کے بعد نئے سرے سے بزم عیش آراستہ کی ہے۔ جدید طریقہ سے اپنے کاروبار کو سنبھالا ہے۔ لیکن کوئی شک نہین کہ اگر خدانخواستہ اس معرکہ مین حقیقی فتح مادیت کے ہاتھ رہتی تو آج عالم کی زبونی حالت کی وہ کیفیت ہوتی جسکو قوت متخیلہ باوجود اپنی تمام بلند پروازیونکے تصور مین نہین لاسکتی۔ انسانی دماغ پر بدترین قسم کی غلامی مسلط ہوتی۔ رذائل اخلاق محاسن اخلاق کے لباس مین نہایت بیباکی کے ساتھ محو فریب دہی نظر آتے۔ قلوب صرف جذبات شہوانی مین اپنی جملہ مسرتونکا سرمایہ محفوظ سمجھتے۔ اس شہادت کی کامیابی کا یہ معمولی اثر نہین ہے کہ اُسنے ایک بڑی جماعت کو عقیدتاً حقیقی معنون مین محاسن اخلاق کا حامی وطرفدار، روحانیت کا دوست مادیت کا دشمن بنادیا۔

جناب امام حسینؑ اور ان کے بہتر ساتھیون نے دس محرم سنہ ۶۱ھ کے دن روحانیت کی حفاظت جان دیکر کی اور اُس کو ایک مستحکم حالت مین چھوڑکر رہرو عدم ہوئے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسکی حفاظت کی کامل کوشش کرین اور روحانیت کو اُسی آب وتاب کے ساتھ زمانہ مین قائم رکھین۔

(۱۳) چونکہ شہادت حسین (علیہ السلام) نے مظاہر مادیت کے چہرے اُنکے اصلی رنگ مین دنیا کے سامنے پیش کردیے ہین۔ روحانیت کی عظمت وشرافت مکمل طریقہ سے ثابت کردی ہے اسلیے اس شہادت کا بکثرت تذکرہ کرنا اقتدار روحانیت کے تحفظ کا بہترین طریقہ ہے۔ ہم اگر حامی روحانیت ہین ہم اگر نشر محاسن اخلاق کے امانت دار ہین تو ہمارا فرض ہے کہ اس شہادت عظمیٰ کی روحانیت پروری کا ہر موقع پر تذکرہ کرین اور اسکی کوشش کرین کہ ہمارے ہر قومی ومذہبی اجتماع کا موضوع بحث اسی کی شان عظمت کا ظاہر کرنا قرار پائے اگر ہمنے اپنا عمل عقیدہ کے موافق کرلیا۔ اگر ہم دنیا کو اس مرکز پر لے آئے تو یہ انسانیت

وروحانیت کی ایک نہایت ہی جلیل المرتبت خدمت ہوگی۔ یہ شہادت درحقیقت مسلمانون کے لیئے ایک رحمت ہے اسنے روحانیت ومادیت کے حدود نہایت واضح طریقہ سے الگ الگ کرکے دکھا دیے ہین۔

فضائل اخلاق ورذائل اخلاق مین وہ امتیازی حد قائم کردی ہے کہ کسی شخص کو مرحلۂ انسانیت مین اشتباہ نہین ہوسکتا۔ یہ مسلمانونکی انتہائی بدبختی ہوگی اگر وہ اس شہادت کی عظمت کم کرنے کی اپنے کسی قول یا کسی عمل سے کوشش کرین۔

(۱۴) حسینیؑ شہادت کے متعلق میرا یقین ہے کہ اسنے حقیقی اسلام کی شان کو مضمحل ہونے دیا۔ اور اسلیے اسنے یہ جائز استحقاق پیدا کرلیا ہے کہ ہماری تمام توجہات اسی نقطہ کی طرف مائل رہین اور اگر کوئی قوت اس تذکرۂ شہادت کے فروغ دینے مین کسی قسم کی مزاحمت کرے تو اسکی ان تمام کوششونکو بار آور ہونے دین۔

کہتے ہوئے گو شرم آتی ہے لیکن واضح حقائق سے چشم پوشی نہین کی جاسکتی مجھکو اپنے گرد وپیش کی حالت دیکھکر صاف نظر آرہا ہے کہ ابھی بدقسمت جماعت اسلامی مین ایک بڑی تعداد ابتک ایسے افراد کی موجود ہے جنکی راے مین اس تذکرہ کا محو ہوجانا ہی اچھا ہے وہ اس تذکرہ کے مخصوص ایام مین ہمیشہ اپنی اس دلی خواہش کو مختلف شکلونمین ظاہر کرتے رہتے ہین۔ گو مصلحت پسندی کے پُرفریب ردیہ نے ان مین یہ جرات نہین چھوڑی ہے کہ وہ اپنی دلی نیتین پوری عریانی کے ساتھ بے پردہ دنیا کے سامنے پیش کرین اور اسلیے وہ انکو اصلاح عزاداری واستیصال بدعات وغیرہ کے مختلف باریک پردون مین مخفی کرکے ظاہر کرتے ہین لیکن یہ واقعہ ہے کہ حقیقت بین نگاہین انکی نیتون کو اصلی شکل مین انکی تمام شاطرانہ مساعیِ اخفا کے باوجود دیکھ لیتی ہین۔

مین نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مین تو یہی دیکھا کیا ہون کہ اُدھر آسمان پر محرم کے ہلال غم برآمد ہونے کا زمانہ آیا اور ادھر ان نام نہاد مصلحین کے قلوب مین جذبات مخالفت پورے

زور شور کے ساتھ متلاطم ہونے لگے۔ عزاداروں کے اعمال غم پر غیر منصفانہ نکتہ چینیاں ہونے لگین۔ انکے ہر فعل کا مضحکہ اُڑایا جانے لگا اس دعوائے اتحاد کے زمانہ مین کسی فرقہ کے جذبات کے جانب ایسا غیر روادارانہ رویہ اختیار کرنا مستقبل تاریک کی علامت ہے۔

مخالفین کا یہ طرز عمل حامیان عزاداری کے لیے اس امر کی کھلی دعوت ہے کہ وہ اس طوفان مخالفت کے مقابلہ کیلئے سب طرح سے مستعد رہین۔

مجکو اسکا اعتراف ہے کہ مین وہ دماغی قابلیت نہین رکھتا کہ اس شہادت کے اصلی رموز قرار واقعی طور سے سمجھون اور پھر ان کو دنیا کے عام منظر پر لاؤن لیکن میرا یہ اعتراف مجھکو اس عالی فرض سے سبکدوش نہین کر سکتا جو بحیثیت حامی عزاداری مجھپر عائد ہوتا ہے۔ مین جانتا ہون کہ مجھسے کہین زیادہ قابل حضرات اس روحانی رسم کی ترویج مین اپنا زور قلم نہایت عمدگی کے ساتھ صرف کر چکے ہین۔ مجھکو معلوم ہے کہ انھون نے دُنیا کو اس ذبح عظیم کے روحانی فوائد و مذہبی اہمیت سے روشناس کرنے مین کوئی معقول استدلال نہین چھوڑا ہے مگر میری اس آگاہی اس وقفیت کا منشاء یہ کیونکر قرار پا سکتا ہے کہ مین اس دینی فریضہ کی انجام دہی مین یکسر جمہود بنجاؤن۔

تکرار عمل کا فلسفہ اس امر کا ضامن ہے کہ میری ایک سچی کوشش ترویج عزاداری کی گو وہ سابق اہل قلم حضرات کے قائم کیے ہوئے استدلالات کے اعادہ کی صورت ہی مین کیون نہ ہو منزل مقصودہ کی طرف وہ قدم بڑھاتا ہے جسکے صلہ مین (اس دن جبکہ تمام دنیا اپنے اعمال و عقائد کا مجموعہ لئے ہوئے یاس و امید کے عالم مین ایک بارگاہِ جبروت کے سامنے کھڑی ہوگی) ایزدی فیوض والطاف نور آگین تبسّم کے ساتھ اُس امن کدۂ فردوس کی طرف جو نوع انسانی کی سب سے پہلے فرد کی اولین قیامگاہ تھی رہنمائی کرینگے۔

(۱۵) مین اس رسالہ کے آنے والے ابواب مین اسکی کوشش کرونگا کہ مخالفین کی اُن مساعی کو جو اُنھون نے اس شہادت کی روحانی حیثیت زائل کرنے کے لئے کی ہین متانتِ استدلال کے ساتھ باطل کردون ۔ طریق ہدایت وارشاد مین جناب امام حسینؑ بجشہادت کے دریاے خونین مین شناوری کرکے جو ایک نورانی چراغ روشن فرماگئے ہین اُسکو غلط بیانیونکی تیز و تند ہواؤنسے خاموش ہونے دون ۔ چونکہ اس شریف ارادہ کو عالم آب و گل مین لانے والا محبت جناب امام حسینؑ کا پاک و خالص جذبہ ہے اسلئے کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ میرا یہ ارادہ کامیابی کے نورافشان تاج سے محروم رہے ۔

یہ رسالہ واقعات کربلا کی تفصیل نہ کریگا بلکہ زیادہ تر اُن اعتراضات سے بحث کریگا جو جناب امام حسینؑ کی شہادت یا اُسکے تذکرہ کے متعلق کیے گئے ہین اور اسطرح اُن سیاہ پردونکو جو مخالف ہاتھون نے اس روحانی واقعہ کے نورانی چہرہ پر ڈالدیے ہین ہٹا کر دنیا کو اس کا موقع دیگا کہ وہ اس حادثہ عظمیٰ کو اسکی بے نقاب حالت مین دیکھ سکے ۔ بنا ٔ علیہ اس کے سات باب قرار دیے جاتے ہین اور ہر باب مین کسی نہ کسی اعتراض کا انشاء اللہ معقول جواب ہوگا ۔ واللہ نعم النصیر ۔

باب اوّل

(جناب امام حسین علیہ السلام کی شخصیت)

عنوان بالا جس تفصیلی بحث کو چاہتا ہے اُسکے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے مین اس مختصر رسالہ مین آئندہ ابواب کی تمہید کے طور پر اس سے صرف اجمالی بحث کرونگا ۔ کسی مذہبی پیشوا یا روحانی سردار کی شخصیت پر غور کرتے وقت ہمارا فرض ہے کہ اسکی ہستی پر دو حیثیتون سے نظر ڈالین اولاً تو یہ دیکھین کہ حسبی و نسبی حیثیت سے

اس کا پایہ سوسائٹی مین کیسا ہے۔

ثانیاً نہایت احتیاط سے اُس کی جستجو کرین کہ وہ اخلاقی نقطۂ نظر سے کن خصوصیات کا مالک ہے۔ مین اس موقع پر کوشش کرون گا کہ مختصر طریقہ سے بتلا دون کہ جناب امام حسینؑ کی شخصیت ان دونون حیثیتون سے کس مرتبہ کی تھی۔

حسبی و نسبی حیثیت۔ امام حسینؑ کی ولادت عرب کے اس خاندان (بنی ہاشم) مین ہوئی۔ جو ہر حیثیت سے ممتاز و صاحب وجاہت تھا۔ اسکی ہمسری کا کوئی دوسرا قبیلہ ادعا نہ کر سکتا تھا۔ آپ کے دادا جناب ابوطالب اور نانا خاتم النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلعم۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب مریم کبریٰ فاطمہ زہرا آخری رسالت عظمیٰ کی جگر گوشہ آپ کے والد معظم ہزبر بیشہ صولت و بسالت جناب امیر المومنین علیہ السلام آپکے برادر عالیمقدار جناب امام حسنؑ نامدار آپ کے عم بزرگوار حضرت جعفر طیّار۔

یہ نسب نامہ ایسا ہے کہ عرب تو کیا دنیا اسکا مثل پیش نہین کر سکتی اس خاندان کا ہر ممبر عرب کی سوسائٹی مین کسی نہ کسی حیثیت سے خاص مرتبہ کا حامل رہا ہے۔ عرب کے ہر قبیلہ والے اس خاندان کے افراد کو نگاہ احترام سے دیکھتے تھے۔ بنا برین نسبی لحاظ سے جناب امام حسینؑ انسانی سوسائٹی مین مرتبہ شرف کے اس نقطۂ علیا پر فائز تھے جہان عروج تکمیل کو پہونچ جاتا ہے اور اسلیے کوئی شک نہین کہ آپ کی شخصیت اس حیثیت سے دنیا مین ایک تھی۔

اخلاقی حیثیت۔ اس نقطۂ نظر سے بھی جناب امام حسینؑ کی شخصیت خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ آپ مین جوہر قابل پوری طرح سے موجود تھا اور پھر جب آپ نے آنکھین کھولین تو یہ دیکھا کہ خاص آپ کے مکان سے ہدایت و ارشاد کا سرچشمہ جاری ہو کر دنیا کی حیات روحانی کو سرسبز و شاداب کر رہا ہے اسلیئے کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کے ذات ستودہ صفات مین اخلاق حسنہ شان کمال کے ساتھ نہ پائے جاتے۔

علماے فلسفہ اخلاق نے انسانی محاسن کی اصل چار صفتین قرار دی ہین حکمت
شجاعت - عفت - عدالت - یہ صفات تکمیلی حیثیت سے جس قلب مین راسخ ہوجائین
انکے نزدیک وہی انسان حقیقی معنون مین انسان قرار دیا جاسکتا ہے اسی کا ہر عمل دنیا کے لیے
تعلیم انسانیت و تلقین روحانیت کا موثر درس ہو سکتا ہے - باری تعالی کی نگاہ انتخاب
ایسے ہی شخص پر اپنے خاص تبلیغی فرائض کے انجام دہی کے لئے پڑتی ہے - ان اصول
چہارگانہ اخلاق کے تحت مین کل محاسن صفات آجاتے ہین -

رسول کے علاوہ کسی اور شخص کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ آیا وہ ان صفات حسنہ کا
جامع ہے یا نہین ہے دو صورتون سے ہو سکتا ہے -

ایک تو یہ کہ کوئی ربانی انسان (رسول) اس شخص کے متعلق یہ سند دے کہ
اسکا نفس ان صفات کے خوبصورت زیورون سے آراستہ ہے اس سند کے مختلف
عنوانات ہوسکتے ہین - اس ربانی پیغامبر کا کسی شخص کی غیر معمولی الفاظ مین اکثر تعریف کرنا
اس سے غیر معمولی محبت کرنا - اس کی اطاعت کا اس کی محبت کا پرزور الفاظ مین لوگونکو
حکم دینا یہ سب صورتین اسی سند کی مختلف شکلین ہین -

یہ طریقہ قطعی ہے اسواسطے سے ہم جس شخص کو ان صفات کا حامل سمجھینگے وہ بالکل غیر
مشتبہ ہوگا -

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اسکی طرز معاشرت اسکی عادات واخلاق کا نگاہ غور سے
مطالعہ کرین اور اس ذریعہ سے پتہ چلائین کہ آیا اُسکے نفس مین ان صفات حسنہ کا ملکۂ
راسخہ موجود ہے یا نہین ؟

یہ طریقہ گو ایک معنی کر لمیت کی شان لئے ہوئے ہے مگر پھر بھی قطعی نہین ہے کیونکہ
بہت ممکن ہے کہ حقیقی مواد تلاش تک رسائی نہو اور اسطرح ہماری تحقیق منزل صحیح تک
موودی نہوسکے - ہم یہان ان دونون طریقون سے جناب امام حسینؑ کی اخلاقی شخصیت کی

بلند پائگی ظاہر کرنیکی کوشش کرونگا۔

چونکہ میری ناقص رائے مین پہلا طریقہ قطعی ہے اسلیے اسی سے ابتدا کرتا ہون۔

جناب امام حسینؑ کی عظمت شخصیت معلوم کرنے کا طریق اوّل۔ اسلام کا یہ بُنیادی عقیدہ ہے کہ جناب محمدؐ ابن عبداللہ ایزد تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول تھے قرآن مجید مین اُن کی ایک بڑی خصوصیت کی طرف ان لفظون مین اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا یَنطِقُ عَنِ الهَوَیٰ اِن هُوَ اِلَّا وَحیٌ یُوحیٰ[1] ایسے برگزیدہ رسولؐ نے متعدد مواقع پر مختلف شکلون مین اخلاقی اعظمیت کی جناب امام حسینؑ کو سند دی ہے جناب امام حسینؑ سے اُنکا غیر معمولی محبت فرمانا اور جناب امام حسینؑ کی فضیلتونکا خاص جوش کے ساتھ تذکرہ کرنا آخر کس امر کا ثبوت ہین۔ رسولؐ کی محبت کی مکمل تصویر افسوس ہے اس مختصر رسالہ مین پیش نہین کرسکتا۔ البتہ چند مشہور واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کرتا ہون وہ ناظرین کے اذہان مین اُس نورانی تصویر کے نقوش وخطوط غالباً کھینچدین۔

واقعہ اوّل[2]۔ ایک مرتبہ عید آئی۔ رسول مقبولؐ محض اس خیال سے ناقہ بنے کہ جناب امام حسینؑ کی دلشکنی نہو۔ حضرت عمر نے یہ دیکھکر فرمایا نعم المرکب (کیا ہی اچھی سواری ہے) رسول صلعم کی زبان فیض ترجمان سے فوراً یہ فقرہ نکلا۔ یہ نہ کہو بلکہ نعم الراکب (کیا ہی اچھا سوار ہے) کہو۔

واقعہ ثانیہ[2]۔ ایک مرتبہ سرور کائنات مفخر موجوداتؐ سجدہ مین تھے جناب امام حسینؑ آئے اور آپؐ کی پشت اقدس پر بیٹھ گئے حضرتؐ نے غیر معمولی طور سے سجدہ کو طول دیدیا

واقعہ ثالث[3]۔ ایک مرتبہ حضرت ختمی مرتبت کے ایک زانو پر حضرت امام حسینؑ تھے اور دوسرے زانو پر حضرت ابراہیم۔ جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا۔ کہ یہ دونون وجودی حیثیت سے مجتمع نہین رہ سکتے۔ باری عزوجل کا فرمان ہے کہ ان مین سے ایک کو

---

[1] تفسیر ابویوسف وغیرہ ۱۲ [2] مستدرک امام حاکم مجامع صغیر امام سیوطی ۱۲ [3] درالنظم کتاب طرائف از ابن عباس ۱۲

دوسرے پر قربان کیجئے۔ رحمت عالمیانؐ نے جناب امام حسینؑ کی موت گوارا نہ کی اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کو جناب امام حسینؑ پر قربان کر دیا۔

واقعہ رابعہ۔ نصارائے نجران سے جب حضرت نبویؐ نے مباہلہ کرنا قرار دیا تو ابنائنا کے سلسلہ مین جناب امام حسینؑ کو بھی لیگئے۔

میرے پیش نظر بہت سے واقعات ہین لیکن مین صرف ان چار واقعون پر اکتفا کرتا ہون۔ کیونکہ میرا مدعا ان سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ انصاف پسند ان کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ جناب امام حسینؑ کو حضرت رسول مقبولؐ کتنا چاہتے تھے یہ واقعات جہان جناب امام حسینؑ سے رسول مقبول کی محبت کی تصویر کھینچتے ہین وہان اُن سے جناب امام حسین کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اقدس (شاید آنے والے زمانہ کی انقلابی کیفیتین پیش نظر رکھتے ہوئے) ہمیشہ مظلوم کربلا جناب امام حسینؑ کے فضائل علی رؤس الاشہاد بیان فرماتے رہے۔ کبھی ان کے متعلق ارشاد کیا الحسن[۵۱] والحسین سیدا شباب اہل الجنہ کبھی انکی اعلیٰ افضیلت کو اس بلیغ جملہ کی وساطت سے ظاہر فرمایا حسین[۵۲] منی وانا من الحسین۔ ایک مرتبہ لوگونکو مخاطب کرتے ہوے صاف صاف کہا ایہالناس[۵۳] انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض اور کبھی یہ کہا من[۵۴] احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن ابغضهما فقد ابغضنی انصاف کرنا چاہیے کہ یہ اقوال نبویؐ کن حقائق کا اظہار کرتے ہین کیا ان سے وضاحت کے ساتھ یہ نہین معلوم ہوتا کہ

---

۵۱ مسند حنبل وجامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ و ابن بطہ جامع خطیب شرف المصطفےٰ جامع ابو نعیم امام نسائی ۱۲

۵۲ ذخائر العقبیٰ بخاری۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن اثیر۔ ابو نعیم ۱۲ ۵۳ صحاح ستہ و کتب تاریخ اسلامی ۱۲

۵۴ مسند احمد حنبل وسنن ابن ماجہ۔ ابن بطہ۔ جامع ترمذی۔ شرف النبی وغیرہ ۱۲

سرورِ کائنات مفخرِ موجودات حضرت امام حسینؑ کو معدنِ انسانیت و فضیلت کا لعلِ بے بہا سمجھتے تھے۔

بعض خوش فکر حضرات کی طرف سے اس موقع پر ایک اُصولی بحث کیجاتی ہے اُنکا خیال ہے کہ اگر رسول کسی سے غیر معمولی محبت کرے تو یہ ضروری نہین ہے کہ اس شخص مین روحانی بزرگیان بھی موجود ہون۔ رسول بہر حال بشر ہے۔ اس مین وہ تمام لوازم پائے جاتے ہین جو ایک بشر کی حقیقت مین داخل ہین اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول مقبول صلعم کا جناب امام حسینؑ سے محبّت کرنا بعینہٖ ایسا تھا جیسے ایک معمولی نانا اپنے نواسہ سے محبت کرتا ہے یہ خیال اکثر تعلیم یافتہ حضرات کی زبانون سے سنا گیا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ ان لوگون کو اسکا احساس کیون نہین ہوتا کہ وہ یہ بحث اُٹھا کر منصب رسالت کی توہین کر رہے ہین۔

اس خیال کی جن دماغون مین نشو و نما ہو اُنکے متعلق مین نہایت آزادی سے یہ کہنے کیلئے تیّار ہون کہ انکی قوت ادراک مفہوم رسالت کی پاکیزگی تک کبھی نہین پہونچ سکتی۔

مین کہونگا (اور میرا یہ کہنا خدا کے فضل سے مدلل ہے) کہ جناب امام حسینؑ اگر ایزدی نگاہون مین پسندیدہ شخص نہوتے تو جناب رسالتمآبؐ کا انکی شان مین اس قسم کے جملے ارشاد فرمانا حسینٌ منی وانا من الحسین۔ الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ انکے منصب رسالت کے قطعاً منافی ہوتا۔

وہ شخص جو دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا ہو اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ نسبی تعلقات کے لحاظ سے کسی شخص کے متعلق خواہ مخواہ اتنے بڑے لفظ استعمال کرے۔ رسول گو بشر ہوتا ہے لیکن بشریت کے اس اعلیٰ مقام پہ فائز ہوتا ہے جہان

لہ ذخائر العقبیٰ ۔ ۲ہ مسند احمد حنبل وغیرہ ۱۲

ملائک بھی سر بسجود ہونا فخر سمجھتے ہین۔ دستِ قدرت صرف اسی شخص کو خلعت رسالت سے سرفراز فرماتا ہے جسکو وہ اپنے علم ذاتی کے ذریعہ سے سمجھ لیتا ہے کہ وہ اخلاقی حیثیت سے اس عہدہ کی کبھی تنقیص نہ کریگا۔

ایسا شخص کبھی رسول کہلائے جانیکا مستحق نہین ہوسکتا جو اپنے نفس پر اتنا قابو نہ رکھے کہ جوش محبّت مین زبان پر ایسے الفاظ نہ آئین جو آیندہ چلکر جائز طور سے لوگونکو مغالطہ مین ڈالین۔

جناب محمد صلعم کو اگر ہم سچّا رسول مانتے ہین تو ہمین عقلی حیثیت سے ماننا پڑیگا کہ انکے جملہ جذبات عقل صحیح کے ماتحت تھے۔ وہ بشر تھے لیکن نہ ایسے بشر کہ کسی مادّی تعلق یا نفسی رجحان کی وجہ سے ایسے الفاظ زبان پر لے آئین جنکی حقیقت محض اتنی قرار پائے کہ وہ جوش محبت مادی کا نتیجہ ہون۔ ایک رسول کا فریضہ معمولی جذبات کا اظہار نہین ہے۔ وہ کبھی ایسی بات نہین کہہ سکتا جسکو واقعیت سے کوئی تعلق نہین۔ میرا عقیدہ ہے کہ رسول ربّانی اپنی زبان پر جو کچھ جاری فرماتا ہے وہ بالکل صحیح اور منشائے ایزدی کے مطابق ہوتا ہے۔

جناب محمد صلعم کا حضرت امام حسینؑ سے محبت کرنا انکی فضیلتونکا بیان کرنا یقیناً کسی مادّی رجحان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض اُس روحانی تعلق کی وجہ سے جو دو پاک نفسون مین ہوسکتا ہے۔ رسول مقبولؐ نے جو آپ کی توصیف خاص طور سے فرمائی ہے وہ اس لئے نہین کہ آپ نواسہ تھے بلکہ محض اس وجہ سے کہ آپ اس کے پورے طور سے مستحق تھے۔

جناب امام حسینؑ آنے والے قریبی زمانہ مین بُنیاد اسلام کو نئے سرے سے مضبوط کرنے والے اپنی قابل یادگار قربانی سے روحانیّت کی عمارت قائم رکھنے والے تھے اسی لئے خدا کے نزدیک آپ ایک مقبول بندہ تھے اور رسول کے لئے ایک

قابل محبت شخص۔

جناب امام حسینؑ گو ابھی بچّہ تھے لیکن رسول مقبولؐ کی باریک بین نگاہون نے اُنکے معصوم چہرہ مین وہ آثار دیکھ لئے تھے جو دنیا کی کسی عظیم الشان انقلاب پیدا کرنیوالی روحانی ہستی کے لئے لازمی ہین۔ انھون نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ حسینؑ خدا کا خاص بندہ ہے اسنے اپنی کمال استعداد کی وجہ سے اپنی ذات مین فیوض ایزدی جذب کر لئے ہین اسی لئے وہ اپنے فرائض تبلیغی کے سلسلہ مین ہمیشہ جناب امام حسینؑ کے اعلیٰ اوصاف وکمالات سے دنیا کو روشناس کرتے رہے تاکہ اُنکے اعمال وافعال کو وہ اپنے لئے نمونہ قرار دے اور کبھی اُنکے خلاف کسی امر کے مرتکب ہونے کی جرأت نہ کرے۔

محبّت بشری پر محمول کرنے والے ان اُمور کو محبت بشری پر محمول کرین وہ شوق سے کہین کہ یہ سب اُمور غلبہ محبت مین رسول خداؐ سے سرزد ہوئے۔ اسوقت ان کی زبان پر کوئی بندش عائد نہین کی جاسکتی لیکن وہ خوب یاد رکھین کہ اس دن جب دنیا حقیقی انصاف وعدالت کی عام پرسشگاہ مین اپنے افعال واعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر ہوگی اُن سے اس جرأت وجسارت کا معقول مواخذہ ہوگا اور جب وہ اپنے جرائم کی فہرست مین توہین رسالت کی کافر بنانے والی دفعہ پڑھینگے تو اُن کو احساس ہوگا کہ جناب امام حسینؑ کی مخالفت کر کے انھون نے اپنے کو جہنم کے کس طبقہ کا مستحق بنا لیا۔

جناب امام حسینؑ کے عظمت اخلاق کے معلوم کرنیکا دوسرا طریقہ } اس باب کے آغاز مین بیان کیا گیا تھا کہ حکمائے فضائل انسانی کی چار قسمین کی ہین۔ ان کے تحت مین باقی جملہ فضیلتین آجاتی ہین حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدالت اس دوسرے طریقہ کی بنا پر ہمین اس امر کے معلوم کر لینے کیلئے کہ جناب امام حسینؑ ان فضائل چہارگانہ

کے مکمل جامع تھے انکی سیرت پر بسیط نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مگر چونکہ کسی شخص
کے زندگی کے تمام واقعات اور انکے اخلاقی نتائج کا بالتفصیل وار ذکر کرنا ایک ایسا
کام ہے جسکی دشواریون سے عہدہ برآ ہونا معمولی امر نہین ہے اسلئے یہان میرا
اپنی اُن سچی کوششون کے نتائج کو لکھدینا کافی ہوگا جو سیرت حسینی
کے متعلق ابتک مین نے کی ہین۔ مین یقین کے ساتھ کہسکتا ہون کہ جناب امام حسینؑ
کی زندگی کا کوئی واقعہ نہین ہے جس سے ہمکو کوئی نہ کوئی اخلاقی درس نہ مل سکتا ہو
انکے جتنے اعمال تھے جتنے افعال وہ بالتمام اخلاقی وروحانی رنگ مین ڈوبے
ہوئے بڑے سے بڑے نکتہ چین دماغونکو انکے کسی فعل مین کوئی ایسی بات نہین ملسکتی
جو صحیح معنون مین اُنکی پرُعنا د انتقادی حرص کو پورا کرسکے۔

خوارج کو اہلبیت سے جسقدر خصومت ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہین ہے
جن بیہودہ لفظون سے وہ لوگ حضرت علیؑ اور حضرت امام حسن کو یاد کرتے ہین
وہ کوئی چھپی بات نہین ہے۔ لیکن اس دشمنی کے باوجود بھی وہ حضرت امام حسینؑ
کا ذکر اچھے الفاظ مین کرتے ہین۔ دور کیون جاؤ وہ لوگ جنھون نے حضرت
امام حسینؑ کو شہید کیا ہے وہ بھی معرکۂ کربلا مین کوئی ایسی بات نہ کہسکے جو آپکی
تنقیص کرتی۔ وہ صاف صاف کہ رہے تھے کہ ہمپر آپ کی بزرگی ظاہر ہے
لیکن چونکہ بادشاہ وقت کا حکم ہے اسلئے ہم آپ کے قتل سے دست بردار نہین
ہوسکتے۔ اگر اُن کو اسوقت کسی اخلاقی رذیلت کو آپ کی طرف منسوب کرنے کا
موقع ہوتا تو صورت حالات دیکھتے ہوئے وہ اپنے افعال کی تائید مین اُس کو
ضرور پیش کرتے۔

مین نے اس موقع پر سیرت حسینی کے مطالعہ کے جو نتائج پیش کئے

ہین انکی مخالفت کا کوئی شخص اسوقت تک حق نہین رکھتا جب تک کہ وہ انکی سیرت سے کچھ ایسے واقعات چن کر نہ پیش کرے جو جناب امام حسینؑ کی اخلاقی حیثیت سے تنقیص کرتے ہون لیکن مجھکو اسکا یقین ہے کہ کوئی شخص اس کوشش مین کامیاب نہین ہو سکتا۔ اور اس لئے مین کہسکتا ہون کہ دوسرے طریقہ کی بنا پر بھی حضرت امام حسینؑ کی عظمت شخصیت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ تبرکاً و تیمناً اس مقام پہ چند واقعات جو مختلف فضائل کے تحت مین مندرج ہین وارد کرونگا ان سے ایک حد تک یہ پتہ بھی چلیگا کہ جناب امام حسینؑ مین ان تمام فضیلتونکا ملکہ موجود تھا جو کسی اعلیٰ سے اعلیٰ انسان مین فرض کیجا سکتی ہین ۔

حکمت ۔ اس امر کے جاننے کیلئے کہ جناب امام حسینؑ مین اس فضیلت کا ملکہ راسخ موجود تھا۔ ہمین انکے اقوال پڑھنے چاہیئین انکے خطبات دیکھنے چاہیئین دل چاہتا ہے کہ انکی ایک مکمل فہرست پیش کیجاتی مگر افسوس رسالہ کا حجم اجازت نہین دیتا بالفعل چند حکیمانہ اقوال لکھے جاتے ہین ۔

(۱) ایک مرتبہ کا ذکر ہے آپ نے فرزدق شاعر کو چار سو دینار عطا فرمائے۔ لوگون نے کہا یا حضرت یہ ایک فاسق شاعر ہے اس مراعات کا مستحق نہ تھا۔ آپ نے اسکے جواب مین ارشاد فرمایا ان خیر مالك ما وقیت بہ عرضك یعنی تیرا بہترین مال وہ ہے جس سے تو اپنی آبرو محفوظ رکھ سکے۔ اس فلسفیانہ قول مین کون سی بات ہے جو نہین ہے۔ یہ بلیغ ارشاد حفظ آبرو کی اہمیت دلنشین کرنے کے ساتھ اس مؤثر طریقہ کو بھی بتا رہا ہے جسکی وساطت سے بدونکے مقابلہ مین ہم اپنی آبرو محفوظ رکھ سکتے ہین۔ اس دولت کی مذمت کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے جو محض کیسون کی زینت

مین کام آئے۔

(۲) ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ خدا نے اپنے بندون پر صوم کیون فرض کیا اسکے جواب مین آپ نے مختصر لفظون مین وہ جواب دیا ہے جسکی متین فلسفیت کی لذّت کام و دہان کبھی فراموش نہین کر سکتے۔ آپ ارشاد فرماتے ہین یجد الغنی مسی الجوع فیعود بالفضل علی المساکین اسلئے کہ اُمرا بھوک کی تکالیف محسوس کر کے غربا کی اعانت کی طرف مائل ہون۔

غور کرو یہ قول وجوب صوم کا فلسفہ بتلاتے ہوئے کس عمدگی کے ساتھ فطرتِ اِنسانی کے ان دو اصولون کو واضح کرتا ہے کہ کوئی شخص اسوقت تک دوسرے کے مصائب کا صحیح طور سے احساس نہین کر سکتا جب تک وہ خود اس مین مبتلا نہوا اور جب وہ خود کسی مصیبت مین مبتلا ہوتا ہے تو دوسرے کو اس مصیبت مین گرفتار دیکھکر فطرتاً اُسکی ہمدردی و اعانت پر مائل ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ آپکا بہت مشہور قول ہے۔ موت فی عزٍ خیرٌ من حیواۃ فی ذل عزّت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ جس بلیغ پیرایہ مین یہ ارشاد عزّت و ذلّت کا مقابلہ کر رہا ہے اُسکی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس قول کی لطافت و بلندی کوئی اُن قلوب سے پوچھے جو شان خود داری قائم رکھتے ہوئے زندہ رہنا اپنے وجود کا ماحصل سمجھتے ہین۔ اس قول کو اگر اپنا معمول وہ قومین بنالین جو ایک عرصہ کی جبہہ سائی عبودیت سے اپنا وجود ذلیل ترین موجودات قرار دے چکی ہین تو یقیناً تھوڑی مدّت مین اُنکی پیشانیان عزّت کی درخشانیون کا جلوہ گاہ بن جائین۔

آپ کے اقوال حکمیہ کے دفتر مین سے جو مین نے چند قول نقل کئے ہین وہ اسکی بیّن شہادت ہین کہ آپ مین حکمت کا ملکۂ راسخہ پورے طور سے موجود تھا جبھی تو آپکا ہر قول حکمت مین ڈوبا ہوتا تھا اور آپکا ہر عمل عین حکمت

شجاعت - اس امر کے ثبوت کیلئے کہ شجاعت کا ملکۂ راسخہ حضرت امام حسین مین موجود تھا، خود واقعۂ کربلا کو پیش کیا جا سکتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا اسقدر ہمہ گیر ہے کہ تمام فضائل کا وہ تنہا شاہد قرار دیا جا سکتا ہے - آپ کی عدالت کے نظائر افراط کے ساتھ وہان مہیّا ہو سکتے ہین - عفت کے شواہد نگاہِ تجسّس بکثرت وہان پا سکتی ہے - آپ کی حکمت کا ثبوت خود اس واقعہ کی اُس اعلیٰ سیاسی و مذہبی حیثیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے جسنے آپ کو اس طرز عمل کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اس واقعہ سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی ہمکو آپ کی شجاعت کے بہت سے ثبوت ملسکتے ہین - مثلاً جب آپ کے پدر بزرگوار نے امیر معاویہ کی بغاوت سے مجبور ہو کر شام پر فوج کشی فرمائی ہے تو ایک موقع پر ایسا اتفاق پیش آیا کہ امیر معاویہ کی فوج پیشتر آگئی تھی - اس نے قریب کے دریا پر قبضہ کر لیا اور اس طرح جناب امیرؑ کے لشکر کیلئے پانی کو بالکل بند کر دیا اور جب مصالحت سے پانی نہ مل سکا تو جناب حسنین علیہما السلام نے گھاٹ کی محافظ فوج پر حملہ کیا ہے اور اسکو شکست فاش دیکر گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہے -

سخاوت - اس فضیلت کا اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی مدینہ مین آیا اور لوگون سے مستفسر ہوا کہ یہان سب سے زیادہ کون سخی ہے لوگون نے حضرت امام حسینؑ کو بتلایا وہ مسجد مین آیا اور جناب امام حسین علیہ السلام کو حالت نماز مین پایا - یہ دیکھکر وہین کھڑا ہو گیا اور چند شعر پڑھے جنکا ماحصل یہ ہے

جو شخص تمھارے دروازہ پر کوئی امید لیکر آیا وہ کبھی محروم واپس نہین گیا - تم جواد ہو - تم لائق اعتماد ہو تمھارے باپ نے بہت سے فاسقون کو قتل کیا - اگر تمھارے بزرگون مین سے ایک شخص یہان نہ پیدا ہوا ہوتا تو یقیناً ہملوگ جہنّم کے مستحق ٹھہرتے - راوی بیان کرتا ہے کہ جناب امام حسینؑ نے اسکو سلام کیا

اور پھر قنبر کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا مال حجاز مین سے کچھ باقی رہ گیا ہے۔ قنبر نے جواب دیا ہان چار ہزار دینار۔ آپ نے فرمایا اُنکو جلد لے آؤ۔ کیونکہ ایسا شخص آگیا ہے جو ہم سے زیادہ اُن کا مستحق ہے۔ پھر آپ نے اپنی چادر اُتاری اور دینارونکو اُس مین لپیٹا اور شان حیا قائم رکھتے ہوئے طاق کی درازسے ہاتھ نکالکر وہ دینار اُسکو عطا فرمائے اور چند شعر اُسی ردیف و قافیہ مین معذرت کے پڑھے۔ اعرابی نے اُن کو لے لیا مگر پھر رو دیا۔ آپ نے فرمایا شاید تو نے ہماری اس عطا کو کم سمجھا۔ وہ کہنے لگا نہین بلکہ مین یہ سوچکر رو دیا کہ ایسے مجسّمۂ جود کو مٹّی کیونکر کھا سکیگی۔ اِس واقعہ سے ہم معلوم کرسکتے ہین کہ آپ کی سخاوت کا معیار کسقدر عالی تھا۔

حیا۔ اسکے ثبوت مین یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ معرکۂ کربلا مین جب آپ لشکر کفّار کو منتشر فرماتے ہوے نہر فرات کے کنارہ پہونچگئے تو ایک شخص نے آواز دی کہ اے (امام) حسینؑ آپ تو یہان ہین لیکن لشکر مخالف آپ کے خیام کے پاس لوٹنے کے قصد سے پہونچ گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی آپ پردگیانِ عصمت و طہارت کی بے پردگی کے خیال سے فوراً خیام کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یا ایک مرتبہ جب آپ کی آوازۂ استغاثہ پر حضرت زینب صلوات اللہ علیہا خیمہ سے باہر نکل آئی ہین تو آپ پریشان ہوگئے اور فرمانے لگے کہ اے بہن زینب ابھی تو حسین زندہ ہے ابھی تمھارے باہر آنیکی کوئی ضرورت نہین یہ واقعات آپ کی حیا و عفت کا کافی ثبوت ہین۔ ان سے پتہ چل سکتا ہے کہ آپ مین اس فضیلت کا ملکۂ راسخہ کس حد تک موجود تھا۔

انسانی ہمدردی۔ اسکے ثبوت مین حضرت حرؓ کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جب یزید کی طرف سے حضرت امام حسینؑ کا راستہ روکنے آئے۔ شدّت عطش سے اُنکی اور اُنکے لشکر کی حالت بالکل خراب ہورہی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کے لشکر مین پانی موجود تھا۔ گو مصلحت وقت کی بنا پر بعض اصحاب نے پانی پلانے کی مخالفت بھی کی لیکن جناب امام حسینؑ نے گوارا نہ کیا

کہ حُر مع اپنے لشکر کے پیاسا رہے۔ جناب امام حسینؑ نے اسکو انسانی ہمدردی کے خلاف سمجھا کہ ایک بڑی تعداد انسانونکی پانی کو تڑپے اور آپ پانی کے ہوتے ہوئے ظاہری مصلحتون کے لحاظ سے انکو سیراب نہ کرین۔

آپکا جذبہ ہمدردی جوش مین آیا اور آپنے ان سب کو سیراب کیا۔

انکسار و فروتنی - ایک مرتبہ آپ کہین تشریف لیے جارہے تھے۔ راستہ مین چند فقیر ایک جگہ بیٹھے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کھا رہے تھے اُنھون نے جناب امام کو دعوت دی آپ بیٹھ گئے اور فرمایا جالس مسکینٌ مسکینا

ان چند واقعات کے تذکرہ سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جناب امام حسینؑ مین ان فضائل اربعہ کا ملکۂ راسخہ پورے طور سے موجود تھا۔ اور اسی لئے سخت سے سخت آزمائش کے موقون پر اُنکا سر رشتہ آپکے دست مبارک سے نہ چھوٹتا تھا۔

مین نے ابتدا مین عرض کیا تھا کہ رسول کے علاوہ کسی دوسری ہستی کے متعلق اس امر کا فیصلہ کرنا کہ وہ صحیح معنون مین انسان ہے دو طریقون سے ہو سکتا ہے۔

الحمد للہ مین نے دونون طریقون سے اس امر کو واضح کر دیا کہ واقعی جناب امام حسینؑ صحیح معنون مین انسان تھے۔ وہ انسان جس کو لسان شریعت مین معصوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

باب دوم

مدعیان اسلام کو جناب امام حسینؑ کے شہید کرنیکی کیونکر جرأت ہوئی

جناب امام حسینؑ کے حالات پڑھکر بہت سے دلون مین لبا ادقات یہ سوال پیدا ہوتا

ہے کہ ایسے صفات حمیدہ کا مالک ایسے اخلاق حسنہ کا جامع جسکی زندگی کا ہرعمل
دُنیا کے لیے الہیت و عرفانیت کا درس تھا کیونکہ ان لوگون کے ہاتھ سے جنکا
عقیدہ تھا کہ وہ دُنیا مین صرف اس لیے آئے ہین کہ روحانیت کا عَلَم کبھی سرنگون
نہونے دین شہید ہوسکا مسلمانون کے دلون سے جناب محمدؐ و امام حسینؑ کی محبّت
کے وہ مناظر جنکی دیکھنے والی ابھی بہت سی آنکھین موجود تھین کیونکہ اسقدر جلد
محو ہوگئے۔ رسالت کی زبان پر جناب امام حسینؑ کی فضیلتون کے متعلق جو اقوال
وقتاً فوقتاً جاری ہوئے تھے اُن کو مسلمانون کے کان اس قدر سہولت سے کیونکر
بھُلا سکے۔

اس سوال کا ایک متدین و ایماندار دل مین پیدا ہونا کوئی قابلِ حیرت
امر نہین ہے فی الحقیقت دُنیاے اسلام اس واقعہ پر جسقدر نالہ و شیون کرے
کم ہے کہ اُسی کے بیدرد ہاتھون نے ایک ایسی ہستی کو جو اسلام کے لئے مایۂ صد نازش
تھی انتہائے سفاکیت و بربریت کے ساتھ تیغ جفا سے شہید کرڈالا لیکن اب یہ اسکی
ندامت اس بدنما داغ کو اسکے دامن سے مٹا نہین سکتی۔

پیروان جناب محمد صلعم کا خود انکے پارۂ جگر جناب امام حسینؑ کو ظلم کی برچھیونسے
ٹکڑے ٹکڑے کردینا بادی النظر مین گو ایک بڑا تعجب خیز واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن
ایک غائر نظر مورخ کو جسکی نگاہِ تحقیق تاریخ اسلام کے ابتدائی ابواب کے مطالعہ
مین دلچسپی لے چکی ہے اس سانحہ کے وقوع سے ذرا بھی حیرت نہین ہوسکتی۔

درحقیقت رسول مقبولؐ کے بعد دنیاے اسلام مین جس قسم کی سیاسی ہوائین
چلنے لگی تھین وہ ایک بڑے خوفناک طوفان کا پیش خیمہ تھین۔ پولٹیکل تدبیرونکی
بجلیان جس رُخ سے چمک رہی تھین وہ صاف بتلارہی تھین کہ یہ کس نشیمن پر
گرنے والی ہین۔

مین اِس موقع پر ذرا تفصیل سے سلسلہ وار اُن واقعات کا تذکرہ کرتا ہون جنھون نے جناب خامس آل عبا کی شہادت کو ممکن بنا دیا۔ انکے مطالعہ سے ہر دماغ بسہولت یہ سمجھ لیگا کہ یہ حادثہ جانکاہ فطری نتیجہ تھا اُن پچھلے واقعات کا۔

ممکن ہے اسلام کی کوئی جماعت اس تذکرہ کو اپنے عقیدہ کی پابندیون سے مضطر ہوکر ناخوشگوار سمجھے لیکن ضمیر کی آواز مجھکو مجبور کررہی ہے کہ اُن خیالات کو جو مین نے نہایت احتیاط کے ساتھ تاریخ اسلام کے منتشر واقعات کی کڑیان ملاکر قائم کیے ہین نیک نیتی سے بلاپس وپیش لکھدون۔

مورّخین اِس امر پر متفق ہین کہ بنی اُمیّہ و بنی ہاشم مین ابتدا سے اختلاف رہا ہے اور زمانہ کے آنیوالے دور اِس اختلاف کی خلیج کو ہمیشہ وسیع سے وسیع تر بناتے رہے ہین بنی ہاشم کا پایہ اخلاقی حیثیت سے بنی اُمیّہ کے مقابلہ مین بہت زیادہ بلند تھا۔ اور بہت ممکن ہے کہ رقیب و معاصر جماعت کے اخلاقی و تمدنی تفوق کا احساس اِس تمام اختلاف کا اصلی باعث ہو۔

بنی ہاشم کی سعادّت طالع دیکھیے کہ جناب محمدؐ جیسے روحانی ریفارمر (مصلح) کی پیدائش کا طرۂ امتیاز بھی اسی قبیلہ کے تاج عزّت کی آرایش کا سبب بنا۔ فطرۃً بنی اُمیہ کے لیے یہ امر اور بھی زیادہ باعث حسد ہوا ہوگا۔ رحمت دو عالم جناب رسول اکرم نے جب لوائے ہدایت بلند کیا تو لوگونکی کثیر تعداد اُسکے نیچے جمع ہوگئی اور اِس طرح بنی ہاشم کے روحانی اقتدار کو چار چاند لگ گئے۔ بنی اُمیّہ کے لیے یہ آسان نہ رہا کہ ایسی روز افزون قوت کے مقابلہ مین علانیہ طور سے اپنی مخالفت کی صفین جمائین۔ اِس لیے مصلحت وقت کو مدّنظر رکھتے ہوے انھون نے بظاہر اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کرلی لیکن باطن مین وہ ہمیشہ بنی ہاشم کے استیصال کے درپئے رہے۔ اِس زمانہ مین بنی اُمیّہ کے جو مایہ ناز افراد تھے اُنکے اقوال و افعال

لہ تاریخ ابن خلدون تاریخ ابن ہشام و ابن ابی الاثیر ۱۲ سلہ اکثر تواریخ اسلام ۱۲

اس امر کی بین شہادت ہین کہ اُنکے قلوب کی تاریکی ضلالت رسول اکرم کے موعظت
وارشاد کی شعاعون سے دور نہ ہو سکی تھی اور اسلیے یہ یقینی ہے کہ انکا مطیع اسلام
ہو جانا منافقانہ سیاست کا ایک نمونہ تھا۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ حیات تک
اُنکے دلی ارادے کوئی عملی جامہ نہ پہن سکے لیکن جناب رسالتمآبؐ کی آنکھین
بند ہوتے ہی انکو اپنی دیرینہ تمناؤنکے پورا کرنے کا موقع مل گیا اسکو حُسن اتفاق کہیے
یا سوء اتفاق کہ اتحاد مقصد (عام مادی وملکی اقتدار کی خواہش) نے انکا شریک کار
ایک عجیب دل ودماغ رکھنے والا مدبر بنا دیا۔ اسکی سیاست نے دانستہ یا نادانستہ
طور پر بنی اُمیہ کے آیندہ عروج واقتدار کی مستحکم بُنیاد ڈالدی۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر جناب رسالتمآبؐ کی وصیت پر عمل کیا جاتا تو
بنی اُمیہ کو سیاسی حیثیت سے کوئی امتیازی اقتدار حاصل نہوتا۔

مسلمانون کے دماغ مین اس خیال کا پیدا کر دینا کہ رسول بھی ایک مجتہد تھے
اور یہ کہ ان مین دو حیثیتین تھین ایک حیثیت رسولی اور دوسری حیثیت بشری۔
اس دوسری حیثیت سے اُنھون نے جو اقوال ارشاد فرمائے ہین وہ واجب الاتباع نہین ہین
ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے) میری ناقص رائے مین بنی اُمیہ کی اس اعلیٰ
مادی کامیابی کا اصلی راز ہے۔ اِس اُصول کی تعلیم نے مسلمانون کے دلونسے
رسولخداؐ اور اُنکے اہلبیت کی وقعت بڑی حدتک ختم کردی۔

اسمین کوئی شک نہین کہ اگر اس اُصول کی تعلیم نہ دیجاتی تو مُخالفین
اہلبیت کو منزل مقصود تک پہونچنے مین وہ دشواریان پیش آتین جنکے دور کرنے
کی کوششین (بہت ممکن تھا کہ) خود کوشش کرنیوالونکو تباہ کر دیتین۔

اس اُصول کی اہمیت اسکے بانی اچھی طرح سمجھے ہوے تھے جب ہی تو اسکی تعلیم
کا سلسلہ جناب رسول خداؐ کی وفات سے کچھ پیشتر شروع کر دیا تھا صفوت آدمیان

نے اپنے مرض الموت[۵] کی آخری ساعتون مین جب دوات و کاغذ ایک مفید وصیت تحریر کرنے کے لئے طلب فرمایا ہے تو ایک با اثر صحابی کی زبان پر یہ فقرہ جاری ہوا ہے بھائیو دوات کاغذ نہ لاؤ رسولؐ کو غلبۂ مرض کی وجہ سے ہذیان ہو گیا ہے" یہ کیا تھا اِسی تعلیم کا ابتدائی سبق۔ اور پھر جناب رسول خداؐ کے انتقال کے بعد تو اِس اُصول کے عملی درس پیہم دنیا کو دینے شروع کر دیے گئے۔ حضرت علیؑ کے متعلق رسول مقبولؐ کے کل اقوال و وصایا پس پُشت ڈالدیے گئے۔ خود رسول خداؐ کی لاش کو کس مپرسی کی حالت مین چھوڑنے کا عملی تہیہ کر لیا گیا۔ قابل افسوس طریقہ سے منصب خلافت اپنے اصلی مرکز سے ہٹا دیا گیا۔ جناب فاطمہ زہرا کے متعلق رسول خدا کی تمام تاکیدین زینتِ طاق نسیان قرار پائین۔

ممکن ہے اِس اُصول کے رواج دینے سے اِسکے بانی کا مقصد اپنے خیال مین بہبودی اسلام ہو لیکن اس کا نتیجہ ضرور یہ ہوا کہ وحشی عربون کی بڑی تعداد رسولؐ ان اقوال کو جو فضائل اہلبیت کرام کے متعلق ارشاد فرما گئے تھے محبت بشری پر محمول کرنے لگی اور اِس لیے نہ تو وہ ارشادات اُن کے نزدیک واجب الاتباع رہے نہ اہلبیت نبویؐ قابل تعظیم۔

اب جبکہ خلافت اپنے حقیقی مرکز سے ہٹ گئی اور اسکے حامل وہ ہاتھ نہ رہے جو اسکے لیے خلق ہوے تھے تو لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ خلافت رسولؐ جو ایک منصب روحانی ہے قالب سلطنت مین ڈھل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا خلافت وہ شان روحانی قائم نرکھ سکی جسکی بحیثیت نیابت رسالت اس سے توقع تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور خلافت مین کثرت سے ممالک فتح ہوے۔ ایران زیر نگین آ گیا۔ مصر پر

---

[۵] باختلاف الفاظ۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جمع بین الصحیحین۔ مسند احمد حنبل۔ طبقات واقدی۔ جمع الجوامع وکنز العمال وغیرہ ۱۲۔

اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ لیکن ان باتون کو روحانی ترقّی سے کیا تعلق۔ ایک رسول کو وسعت فتوحات پر افتخار نہین ہو سکتا۔

یہ امر اگر باعث فخر ہو سکتا ہے تو نیپولین کے لیے پرنس بسمارک کیلئے۔ مجھے تسلیم ہے کہ سیاسی اُصول کے رُو سے اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر کا پایہ نہایت بر تر تھا۔ اِنکی مُلکی قابلیتون کو ملحوظ رکھتے ہوئے مین کہسکتا ہون کہ اگر بالفرض موجودہ متمدن دنیا کے کسی مُملک کی پریسیڈنٹی یا منسٹری اُن کے سپرد کی جاتی تو وہ نہایت خوش اسلوبی سے اسکے فرائض انجام دیتے۔ لیکن اس تمام مادحانہ اعتراف کے باوجود میری راے ہے کہ انکے یا انکے محترم پیشرو کے سیاسی کاندھے ہرگز اس کے اہل نہ تھے کہ ان پر خلافت جیسے اہم ذمہ دار روحانی منصب کا بار رکھا جاتا۔ کیونکہ آپ کی شخصیت کا واضح و ممتاز پہلو صرف سیاسی تدبیر تھا اور اسی لیے آپکے عملی فلسفۂ سیاست مین اخلاقی و روحانی چاشنی قطعاً نہ تھی۔

مادی سلطنت جب کسی نہ کسی طرح لباس خلافت پہنکر منبر رسول پر جلوہ گستر ہوئی اور اس طرح مادیت و روحانیت دونون صیغون کے انصرام کی عنان محض سیاست کے ہاتھون مین آگئی تو یہ کوئی تعجب انگیز امر نہ تھا کہ مسلمانونکے خیالات پر یکسر مادّیت کا رنگ چڑھ جائے۔ انکی ہمتونکی رَو ترقی روحانیت کی راہین ترک کرکے بالکل وسعتِ ممالک کی طرف مائل ہو گئی۔ اور یہ اثر اُن پر اتنا چھایا کہ بہت جلد اُنکو رسول خداؐ کی اصلی اور حقیقی تعلیمات سے پوری اجنبیت ہو گئی۔ اگر ان خیالات کی لہرونکا تماشا دیکھنا چاہتے ہو تو تاریخ اسلام کے اس منظر پر نگاہ ڈالو جب مسلمانونکی تلوارین سیاسی وجوہ کی بنا پر جناب خلیفۂ ثالث کی زندگی کا خاتمہ کر چکی ہین اور حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لوگون نے آپ سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس منصب کو اس شرط پر قبول فرمایا ہے کہ فرائض خلافت انجام دیتے وقت

محض سیرتِ رسولؐ کا اقتدار آپ کے لیے ضروری ہوگا۔ پبلک نے بظاہر اس شرط کو قبول کر لیا ہے لیکن جب آپ نے سیرت رسول پر عمل شروع کیا ہے اور محض استحقاق ذاتی کو حصول مناسب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرابت و تعلقات کا کوئی حق نہین نہین رکھا ہے تو وہ لوگ جنکے لیے خلفائے سابق کی قرابتمندیان ہر قسم کے عیش و آرام کا سرمایہ تھین آپ کے برخلاف ایک عام طوفان بغاوت پیدا کرنے کے لیے ہر طرح مستعد ہو گئے۔

کچھ لوگون کا اس وقت بھی خیال تھا اور اسوقت بھی ہے کہ حضرت علیؑ مین انتظامی مادہ نہ تھا۔ آپ ڈپلومیٹ (سیاسی جوڑ توڑ کے آدمی) نہ تھے۔ اللہ اللہ جذبۂ حکمرانی و اقتدار پسندی نے اسلامی سیاست کو مادیت مین اتنا جذب کر دیا کہ لوگ ایک ایماندار صاف باطن راستباز انصاف پسند مدبر کو منصب خلافت کا اہل سمجھنے مین تامل کرنے لگے اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے اس مادی کروٹ لے لینے کے بعد کمال دیانت سے اصلی فرائض خلافت کا انجام دینا بیحد خطرناک امر ہو گیا تھا

بہر حال حضرت عمر کے اس سیاسی اصول کا کہ نبی بھی ایک مجتہد ہے رائج ہونا اور اسکے نتیجہ مین خلافت کا اپنے مرکز سے ہٹنا یہ دونون امر اہلبیت کے زوال اقتدار ظاہری کا موثر سبب بن گئے۔ اور اس طرح بنی اُمیہ کو مادی عروج حاصل کرنیکا نہایت اچھا موقع مل گیا۔

حضرت عمر حسب تصریح مولوی شبلی مصنف الفاروق اپنے سیاسی اغراض کی خاطر بنی ہاشم کا مٹانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اسلیے آپ نے اپنے سیاسی حربے ایک ایک کر کے استعمال کیے۔

اس مقصد مین انکو اسقدر انہماک تھا کہ اپنے انتقال کے وقت بھی امر خلافت کو

۱؎ صواعق محرقہ و تاریخ الخلفا ۱۲ ۲؎ فصول مہمہ ابن صباغ مالکی ۱۲

خوش اسلوبی سے بجائے بنی ہاشم کے بنی اُمیّہ کی طرف منتقل کر دیا۔ گو اُن اسماء مین جنکو خلافت کے لئے آپ نے تجویز کیا تھا حضرت علیؑ کا نام بھی تھا مگر وہ کمیٹی جسکے متعلق اس امر کا فیصلہ کرنا آپنے قرار دیا تھا وہ ایسے لوگون پر مشتمل تھی جنکو حضرت علیؑ سے خاص پرخاش تھی۔

یہ حکمت عملی آپکی سیاسی بیدار مغزی کا فی الحقیقت بڑا ثبوت ہے۔ بقصہ مختصر اس مرتبہ بھی خلافت اپنے مرکز کی طرف راجع ہو سکی اور حضرت عمر کی قابلیت سے حضرت عثمان جو خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے خلیفہ ہو گئے۔

حضرت عثمان جب تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے تو بنی اُمیّہ نے جائز طور سے اپنی دنیوی حوصلون کا خواب پُورا ہونے کی امیدین باندھین گو یہ واقعہ ہے کہ بنی اُمیّہ کو اسلامی سیاست مین در خور عہد خلافت اولیٰ سے حاصل ہو چلا تھا لیکن اُنھین پورا سیاسی اقتدار اسی تیسری خلافت کے عہد مین حاصل ہوا یہی نہین کہ اکثر اسلامی مقامات کی حکومتین ان کے قبضہ مین آگئین بلکہ خود خلافت کی مشینری ان کے اشارون پر چلنے لگی۔

اس خلافت نے اپنے بزرگ پیشرو کی طرح ڈپلومیسی (سیاسی جوڑ توڑ) سے کام نہ لیا۔ علانیہ غیر اعتدالی مُراعاتین اپنے اقرباسے کین اور اس لیے مسلمانون نے اُنھین ہلاک کر ڈالا اور اُس کے بعد حضرت علیؑ اُن کی جگہ پر باصرار خلیفہ بنائے گئے۔

امیر مُعاویہ کو جب یہ خبر پہونچی کہ اس دفعہ خلافت کا قرعہ حضرت علی کے نام نکلا ہے۔ تو اُنکو اپنے مقام پر بہت زیادہ فکر ہو گئی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علی ایک نہایت راستباز متدین شخص ہین۔ وہ کسی کے ساتھ ناجائز رعایت نہ کرینگے اور اسلیے

سلہ تاریخ ابوالفدا جلد چہارم ۱۲ سلہ مسند حنبل و تاریخ الخلفا ۱۲

اگر منصب خلافت تھوڑے عرصہ تک بھی ان کے قبضہ مین رہا تو یقیناً بنی اُمیہ کی ساری تمنائین ہمیشہ کیلیے اُنکے قلوب مین دفن ہوکر رہجائینگی۔ شام کی امارت حضرت عثمان کے زمانہ سے پیشتر اُنکے قبضہ مین تھی۔ اپنی مصلحتین دیکھتے ہوئے مسلمانون مین ایک عام فتنۂ بغاوت پیدا کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ انکی خوش قسمتی کہ عمرو عاص سی ہستی جو مادی سیاست کے ممتاز عنوانات حیلہ بازی ومکاری پر پوری دسترس رکھتی تھی۔ اِن تمام فتنہ انگیز منصوبون مین ان کی دست وبازو بنگئی۔

حضرت عائشہ[۱] پیشتر ہی سے حضرت علی کی مخالف تھین۔ مفسدہ پردازون نے ان کو اب اتنا ورغلا دیا کہ یہ خون حضرت عثمان کا عوض لینے کے پردہ مین وصیِ رسولؐ کے خلاف جنگ آزمائی کیلیے تیار ہوگئین۔ مصلحتاً امیر معاویہ نے بھی اسی ارادۂ قصاص کو اپنی تمام باغیانہ سیاسی مخالفتونکا محرک قرار دیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عثمان کے قتل کی سازش مین حضرت علی شریک نہ تھے۔

حضرت علیؑ ابتدائً اُس فتنہ جنگ کے فرو کرنے مین مشغول ہوئے جو حضرت عائشہ نے اُبھارا تھا۔ اُس سے فرصت پاکر آپ کو اس عظیم فتنہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس کا کالبد امیر معاویہ ملک شام مین پورے طور سے تیار کر چکے تھے بہرحال صفین مین معاویہ خلیفۂ وقت (امیر المومنین) سے لڑے اور عین اسوقت جبکہ اُنکی افواج کو پورے طور سے شکست ہوا چاہتی تھی عمرو عاص کی حکمت عملی نے جنگ کا رُخ بدل دیا۔ انکی طرف سے مصلحت کی آوازین بلند کی گئین جناب امیر علیہ السلام کیجانب کے بہت سے آدمی اسی فریب تدبیر کے شکار ہوگئے حضرت علیؑ نے انکو ہرچند سمجھایا کہ وہ اس دام فریب مین نہ گرفتار ہون لیکن افسوس انکی عقلونپر کچھ ایسے پردے پڑے ہوے تھے کہ وہ سمجھ نہ سکے۔ عارضی صلح ہوئی فیصلۂ خلافت کے لیے دو حکم مقرر کیے گئے اور اس تمام ابلہانہ کارروائی کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ نے عمر عاص کی سیاسی حیلہ گری سے

[۱] فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ۱۲

اس کشمکش کو اپنے مطابق فیصل کرا لیا۔ دوسرے سال حضرت علیؑ کا ارادہ تھا کہ ایک فیصلہ کن جنگ فرما کر امیر معاویہ کی قوت پورے طور سے توڑ دین لیکن اس ارادہ کے وجود مین آنے سے پیشتر حضرت علیؑ مسجد کوفہ مین ایک شقی ازلی مجسمہ ملعونیت کبریٰ کی شمشیر زہر آلود سے بحالت سجدہ شہید ہو گئے۔ اور اس طرح سیاسی فضا امیر معاویہ کے بالکل موافق ہو گئی۔

اس موقع کو مغتنم سمجھتے ہوئے امیر مذکور اس کوشش مین منہمک ہو گئے کہ اہلبیت رسولؐ کے رہے سہے روحانی اقتدار کا اثر بھی دلون سے میٹ دین۔ حضرت عمر اس پالیسی کی بنیاد بہت پیشتر[۱] ایک نہایت مستحکم طریقہ سے ڈال چکے تھے۔ امیر معاویہ نے فوراً حضرت علیؑ کے خلاف شام مین نہایت شرمناک پروپیگنڈا پھیلانا شروع کیا۔ بہت سے لوگ محض اس امر کے لیے مقرر کیے گئے کہ وہ علی[۲] الاعلان منبرون پر حضرت علیؑ کی منقصتین اختراع کر کے بیان کرین اور اُسکے مقابل شیخین کی فضیلتین۔ معاذاللہ حضرت علیؑ کو یہودی مشہور کرایا۔ منبرون[۳] پر عام طور سے ان پر لعنت کہلوائی۔ اس قابل نفرت پروپیگنڈا پر امیر معاویہ کو کس قدر اصرار تھا۔ واقعہ ذیل سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ بنی اُمیہ کے کچھ افراد نے معاویہ سے کہا کہ اے امیر المومنین اب تو تم اپنی ہر تمنا کو پورا کر چکے۔ بہتر تھا کہ حضرت علیؑ کے متعلق اس پالیسی سے باز آتے امیر معاویہ نے جواب مین کہا لا واللہ جب تک کہ بچے اس طریقہ پر پرورش نہ پائین اور بڑے اس عقیدہ پر بوڑھے نہ ہو جائین کہ پھر کوئی فضیلت علیؑ کا ذکر کرنیوالا نہ رہے۔

قد روی فیہ ایضا ان قوما من بنی امیۃ قالوا لمعاویۃ یا امیر المومنین قد بلغت ما املت فلو کففت عن ھذا الرجل فقال لا واللہ حتی یربوا علیہ الصغیر ویھرم علیہ

---

[۱] کتب صحاح ۱۲ [۲] صواعق محرقہ و ابن جوزی ۱۲ [۳] تاریخ ابو الفداء وغیرہ ۱۲

الکبیر ولا یذکرلہ ذاکر فضلا۔

اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اہلبیت سے انکو کسدرجہ پرخاش تھی اور وہ کس حدتک ان حضرات کی تذلیل کی فکر مین تھے۔

ان واقعات کے موجود ہوتے ہوئے جب کچھ خوش فکر حضرات امیر معاویہؓ کی بغاوت پر خطائے اجتہادی کا پردہ چھوڑنے کی کوشش کرتے ہین تو ان کی اس سادگی فہم پر ہنسی آتی ہے۔

فی الحقیقت یہ امر قابل حیرت ہے کہ امیر معاویہ اور انکے رہنمائے اعظم نے مسلمانون کے دماغ کیونکر اسقدر مفلوج بنادیے کہ وہ اب یہ بھی نہین سمجھ سکتے کہ خطائے اجتہادی کا کونسا محل ہوسکتا ہے اور اس کو کسقدر جائز وسعت دیجاسکتی ہے کوئی شک نہین کہ اگر خطائے اجتہادی اتنی وسیع ہے کہ اُس کے دائرہ مین وہ تمام سیاسی مکاریان وہ تمام اخلاقی جرائم آسکتے ہین جنکو وجودی حالت مین دیکھکر با فہم شریف دنیا کی آنکھین فرط حیا سے جھک جاتی ہین تو مین کہونگا کہ ایسے اُصول کا اسلامی عقاید کی فہرست مین نظر آنا اس کے دعوائے حقانیت کی بنیادین متزلزل کردینے کی مرادف ہے۔

سلسلہ بحث مین اپنے مقصد سے مین کس قدر دور نکل آیا۔ بہرحال ابن ملجم کی ضربت سے جب حضرت علیؑ مسجد کوفہ مین شہید ہوگئے تو انکے جانشین سبط اکبر جناب امام حسنؑ قرار پائے۔ آپ نے اولاً امیر معاویہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا لیکن اہل کوفہ کی غداری نے عین وقت پر آپ کو مجبور کیا کہ آپ اس عزم کو فسخ فرمادین چنانچہ چند شرائط پر امیر معاویہ سے مصالحت کرکے امر خلافت سے آپ دستکش ہوگئے۔

امیر معاویہؓ نے مصلحت وقت سے اُن شرائط کو اُسوقت تو منظور کرلیا لیکن انکا

سلہ ابن حجر شارح صحیح بخاری ۱۲ سلہ تاریخ ابو الفداء وطبری ۔ وصواعق محرقہ وروضۃ المناظر ابن شحنہ ۱۲

قائم رکھنا ضروری[51] سمجھا۔ اب امیر معاویہ کی سیاسی حوصلہ مندیان اور بڑھین اس کے فکر کرنے لگے کہ کسی طرح یزید کو اپنا جانشین[52] بنادین اس کے لیے آپ نے اپنی ساری دماغی قابلیتین صرف کردین۔ ذلیل سے ذلیل تدابیر سے کام لینے مین دریغ نہ کیا ایک طرف حضرت امام حسنؑ کو زہر[53] دلوا کر شہید کرادیا۔ دوسری طرف مختلف چالاکیون سے عوام کو یزید کی بیعت[54] پر راضی کرنا شروع کردیا۔

کوئی شک نہین یہ امیر معاویہ کی سیاسی جوڑ توڑ کی بہترین مثال ہے کہ انھون نے یزید جیسے عیاش و کمزور شخص[55] کو خلیفہ بنادیا اور اس طرح اپنے سیاسی اقتدار و عام تشدد سے کام لیکر دنیا کی آنکھ کچھ عرصہ کے لیے اہلبیت کی طرف سے پھیر دی اب صرف یہ باقی تھا کہ ان حضرات کا نام ظاہری حیثیت سے صفحۂ ہستی سے میٹ دیا جائے۔

امیر معاویہ اس آرزو کو اپنی زندگی مین پورا نہ کرسکے گو اسکے جملہ سامان ان کی سیاسی دانشمندی نے فراہم کردیے تھے۔

امیر معاویہ کی آنکھون مین حضرت امام حسینؑ برابر کھٹک[56] رہے تھے اور بہت ممکن تھا کہ اگر انکی حیات کچھ دنون اور وفا کرتی تو کربلا کا خونی منظر ان کی آنکھین خود دیکھ لیتین۔ مگر اس امر عظیم کے اتمام کا سہرا تو کسی اور سر پر بندھنے والا تھا۔ یہ اپنے اُنھین منصوبون مین تھے کہ اجل کی شمشیر بے پناہ انکے سر پر چل گئی۔ اور عیش و عشرت کا جو ساز و سامان ان کی مادی قابلیتون نے مہیا کیا تھا اُس کی طرف ایک نگاہِ حسرت ڈالتے ہوئے عدم کی منزل کی طرف بیسر و سامانی کے عالم مین چلدیے۔

امیر معاویہ کے انتقال پر حسب توقع یزید صاحب تخت سلطنت پر بیٹھے انکا ابتدائی

---

[51] ابو الفدا طبری۔ مسعودی۔ اعثم کوفی۔ روضۃ الصفا۔ روضۃ المناظر۔ ریاض النضرہ۔ کنز العمال۔ خواص الامہ ۱۲ [52] ارجح المطالب و استیعاب ۱۲ [53] ابو الفدا ۱۲ طبری جلد چہارم و ربیع الابرار زمخشری ۱۲ [54] تاریخ الخلفا وغیرہ ۱۲ [55] روضۃ الصفا ۱۲۔ [56] روضۃ الصفا۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء۔ ربیع الابرار حافظ آبرو۔

کیر کٹر بنا رہا تھا کہ یہ مادی عیش و عشرت کی بنیادون کو انسانیت ورو حانیت کے خون سے مستحکم کرنے مین پوری دلچسپی لینگے۔

گناہونکی فہرست جسکو اسوقت تک زمانہ مرتب کر سکا تھا مستر د کر کے انفرادی طور سے ایک جدید مکمل فہرست پیش کرنیکا فخر حاصل کرینگے۔ تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی انکا پہلا ارادہ یہ ہوا کہ جناب امام حسینؑ سے بیعت لی جائے اور اگر انکار کرین تو اُن کو قتل کر دیا جائے۔

اس اسکیم کے ابتدائی مقدمات زمانہ معاویہ مین طے پا چکے تھے۔ یزید کیلیے صرف یہ باقی تھا کہ اس کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے ایک مضبوط شخص کو متعین کر دے۔ اسنے ولید کو خط لکھا کہ جناب امام حسینؑ سے میری بیعت لیجائے اور اگر وہ انکار کرین تو اُن کو قتل کر دیا جائے۔

مادی طوفانات جس قسم کے برپا ہو رہے تھے انھون نے جناب امام حسین کے لیے شرعی حیثیت سے بیعت یزید کو نا ممکن بنا دیا تھا۔ آپ نے دلیرانہ بیعت سے انکار کیا اور جب دیکھا کہ حفاظت نفس کا کوئی ممکن ذریعہ باقی نہین رہا تو ایسے امر کی طرف اقدام فرمایا جسنے ہمیشہ کے لیے بنی اُمیّہ کو دُنیا کی نظرون مین ذلیل وخوار کر دیا۔ اور اسلام کی کشتی کو جو اِتنے عرصہ سے مخالف ہوا ؤنکا مقابلہ کر رہی تھی اور اب بالکل ڈوبنے کے قریب تھی بچا لیا۔ آپ نے نہایت مستقل مزاجی سے اپنے چیدہ احباب و اعزہ کے ساتھ ایک عظیم الشان جلیل القدر روحانی پیشوا کی طرح منزل شہادت کی تمام ہمّت شکن دشواریان طے کین اور صفحۂ دہر پر آنے والی نسلون کے لیے ایک غیر فانی نقش ہدایت چھوڑ گئے۔

یہ ہین وہ تاریخی واقعات جنکے گوشون مین صاحب بصیرت ناظرین کو اہلبیت

ط۱ ترجمہ تاریخ کبیر طبری و فتوحات اعثم کوفی ۱۲

رسول علیہم السلام کے بے وقعت و بے منزلت بنائے جانے کی کوششین اپنی تمام تدریجی ترقیون کے ساتھ عالم برہنگی مین نظر آئینگی اور اس طرح وہ یہ اچھی طرح سمجھ لینگے کہ امام حسینؑ ساجلیل القدر روحانی عظمت رکھنے والا انسان کیونکر اس جماعت کے ہاتھ سے جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے شہید ہو سکا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب کسی فرد کا حقیقی احترام دُنیا کی نظر سے زائل کر دیا جائے تو پھر ذرا سا شیطانی اغوا اُس فرد کے (خواہ وہ کتنا ہی محترم فرض کیا جائے) قتل و غارت پر مادیت کے نمایندونکو مستعد بنا دیتا ہے۔

اِسی فطری اُصول کی عالمگیر وسعت وفات رسول کے بعد والے دور کی سب سے بڑی جانگداز و دلخراش تاریخی ٹریجڈی (افسانۂ غم) کی سرمایہ دار ہے۔

باب سوم

کیا حضرت امام حسین علیہ السّلام کا یزید سے جنگ کرنا بغاوت تھا

زمانہ کی ظریف گردشین ہر صدی مین کچھ ایسے دلچسپ اشخاص پیدا کرتی رہی ہین جنکا کام صرف یہ تھا کہ واضح حقائق پر باردِ تاویلات کا پُر فریب رنگ و روغن چڑھا کر انکو بالکل منعکس صورت مین دُنیا کے سامنے پیش کرین۔

جناب امام حسینؑ کے واقعہ شہادت پر فطرت کی اس پر مذاق پیداوار کی طرف سے یہ مشقِ ستم ہمیشہ بڑے شدّ و مد کے ساتھ کی گئی ہے۔ اسلام کے سچے اُصول مین اس شان سے ترمیمین کی گئی ہین کہ اُنکو تسلیم کرکے اس واقعہ کی اصلی حقیقت کیطرف رسائی قریب قریب ناممکن ہو جاتی ہے۔ معاملاتِ تاریخی کو اسقدر توڑ مروڑ کر

بیان کیا گیا ہے کہ اب اُنسے کسی قطعی نتیجہ کا اخذ کرنا ایک وقت طلب امر ہو گیا ہے۔
یزید کی بیہودگیان عالم آشکارا تھین لیکن پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ اس کو
سراہا جائے۔ اور اسکے مقابلہ مین جناب امام حسینؑ کی منقصت کسی نہ کسی طرح کیجائے
اسلامی تصوف کے ایک مشہور قائد اعظم کے قلم سے یہ فقرہ نکلنا ماقتل الحسین[لہ]
الا بسیف جدہ امام حسینؑ نہین مقتول ہوئے ہین مگر اپنے نانا کی تلوار سے" لطیف
اشارہ ہے ان شیطانی رجحانات کی طرف جو ایک غلط سیاست نے عام دماغون مین
پیدا کر دیے تھے۔

لوگون کو اسلام مین اس قسم کے گستاخ خیالات کی نشوونما پر شاید تعجب ہو
لیکن میرے لیے یہ امر بالکل محل استبعاد نہین ہے۔ کیونکہ مین محسوس کر رہا ہون کہ
اِنتخاب خلیفہ کا سچا اُصول جبکہ بالکل پس پشت ڈالا جا چکا تھا اور خلافت نے
پورے طور سے مادی حکومت کا لباس پہن لیا تھا تو فطرتاً ان بیہودہ خیالات کی
وبا کو پھیلنا چاہیے تھا۔

یہ ایک واضح اور صاف امر ہے کہ اگر خلافت صحیح معنون مین نیابت رسول کا
نام ہے تو ہم اس منصب کے حامل مین بھی ان روحانی و اخلاقی قوتون کو ڈھونڈھین
جو رسول مین پائی جاتی ہین مگر اس امر کا فیصلہ یکبارگی کر لینا کہ یہ قوتین کس مین
فی الحقیقت موجود ہین انسانی دسترس سے باہر ہے لہذا ضروری ہوا کہ خلیفۂ رسول کو
بھی وہی ذات منتخب فرمائے جو علام الغیوب ہے۔

انتخاب خلیفۂ رسول کا یہ ایک عقلی اصول ہے۔

رسالت کی طرف سے اس کی کوشش کی گئی کہ اسلام مین اسی مستحکم
اُصول کی پیروی کی جائے چنانچہ وحی ایزدی کے منشاء کے مطابق رسول اکرم نے

لہ ابن حجر شارح صحیح بخاری ۱۲

خم غدیر مین ایسے شخص کا نام علانیہ طور سے غیر مشتبہ الفاظ مین ظاہر فرما دیا تھا[۵۱] اب یہ اسلام کی بدقسمتی تھی کہ ذاتی و انفرادی اغراض کی وجہ سے اس اُصول کی پابندی لازم نہ سمجھی گئی۔

اور اسکے بجائے چار اور خود ساختہ[۵۲] اُصول۔ شورئے۔ وصایت۔ اجماعِ اُمّت قہر و غلبہ۔ اِنتخاب خلیفہ کا معیار قرار پائے۔

چونکہ یہ اُصول اِنسانی عقول کے ترشے ہوئے ہین اس لیے بالکل ناقص ہین۔ یہ ایک دُوسرا امر ہے کہ ان اُصول پر سلطنتین قائم ہوتی آئی ہین۔ اور اب بھی ہو رہی ہین یہ تاریخی شہادت ان اُصول کی روحانیت و حقانیت کو ہرگز ثابت نہین کرتی یہ بالکل سچ ہے کہ خالص مادّی سلطنتین اُنھین اُصول کے ماتحت قائم ہوتی آئی ہین لیکن ہماری بحث خالص مادی سلطنت سے نہین ہے۔ بلکہ خلافت سے ہے اور ان دونون کے مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہین۔ اور پھر سوال یہ نہین ہے کہ ایسا ہوتا آیا ہے یا ہو رہا ہے بلکہ اصلی سوال تو یہ ہے کہ آیا ایسا ہونا بھی چاہیے:۔ اور آیا اگر اِن اُصول کو معیار اِنتخاب قرار دیدیا جائے تو کیا وہ اغراض حاصل ہو سکتے ہین جو خلافت جیسے روحانی منصب کیلیے عقل فرض کرتی ہے۔

یہ تو مجھے تسلیم ہے کہ رسولؐ کے بعد جو خلافتین (زیادہ صحیح لفظون مین سلطنتین) مرتب ہوئی ہین وہ انھین اُصول کے ماتحت۔ لیکن محض اتنے امر سے مین اپنے کو اس اعتقاد کیلیے مجبور نہین پاتا کہ ان اُصول کو ربانی یا اسلامی تسلیم کرلون۔ مین کسی دلیل سے اپنے لیے یہ ضروری نہین سمجھتا کہ ان اصول کی رو سے جو خلفا منتخب ہوئے ہان

---

[۵۱] مسند احمد حنبل و سنن ابو داؤد و موطا امام مالک و مشکوۃ و مطالب السئول و فصول مہمہ و صحیح نسائی و روضۃ الاحباب۔ و طبری و تاریخ کبیر و عینی شرح بخاری و مناقب ابن مردویہ و صحاح جوہری و جواہر العقدین۔ و مرج البحرین و وسیلۃ المتعبدین۔ و اسنی المطالب و مناقب ابن مغازلی و تفسیر نیشاپوری و تفسیر در منثور و تفسیر کشاف و تفسیر ثعلبی وغیرہ ۱۲

[۵۲] تمام کتب تاریخ مثل تاریخ خمیس وغیرہ و کتب صحاح ۱۲

انکو لازماً سچا ہی سمجھون۔

میرے نزدیک اِن اُصول کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ انکی بنا پر دُنیا کے ایک بدترین شخص (یزید) کے جسم پر قبائے خلافت ٹھیک اُتر سکتی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ ان اُصول کو مذہبی اہمیت ہی اسلیے دی گئی ہے کہ انکے ذریعہ سے چند ننگ انسانیت افراد کی پردہ پوشی ہو سکے۔

حقائق واضحہ مین التباس پیدا ہو جائے۔ واقعات کی اصلی تصویر نظرون سے اوجھل رہے۔

ان خلافت ساز اُصولون کی مذہباً مان کر عقل اس امر کے اعتراف کیلیے مجبور ہو جاتی ہے کہ جناب امام حسینؑ کو باغی قرار دے۔ کوئی شک نہین کہ یزید کی خلافت اِن چارون اُصول کے ماتحت ہوئی تھی اس لیے ان اُصول کے معتقدین مجبور ہین کہ وہ یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرین اور اسکی مخالف جماعت کو باغی بلکہ دوسرے لفظون مین واجب القتل قرار دین۔

گو جناب امام حسینؑ کو باغی قرار دینا ہمارے ضمیر بلکہ ہر عقل صحیح کے نزدیک نور کو ظلمت ہدایت کو ضلالت۔ عدالت کو ظلم قرار دینے کے مرادف ہو لیکن متذکرۂ بالا اُصول کو مان کر ہم ایسا سمجھنے پر مجبور ہین۔

برادران اہل سنت کی قوتِ فیصلہ کی آزمائش کا یہ ایک نازک مقام ہے۔ یا تو وہ ان اُصول کی حقانیت و ربانیت کا اعتراف کر کے محبت جناب امام حسینؑ سے دستکش ہو جائین۔ اور اپنے بعض واجب الاحترام بزرگون کی طرح یہ فتوے آزادی سے دیدین کہ معاذ اللہ جناب امام حسینؑ باغی تھے اور چونکہ باغی کے قتل کا حکم خود لسان رسالتؐ نے دیا ہے اسلیے اُن کا مقتول ہونا حسب منشائے ایزدی تھا یا اس معاملہ مین شیعون کے ہمنوا ہو کر مان لین کہ یہ اُصول ایسے نہین ہین کہ لازمی طور سے

سچے خلیفہ کے انتخاب کی طرف موّدی ہون۔

اِس صورت مین انکے لیے موقع رہیگا کہ وہ جناب امام حسینؑ کا ذکر محبت و عزّت کے ساتھ کرین۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس خیال کے بموجب یون منتخب ہوجانیوالے حضرات دنیوی بادشاہ قرار پائینگے۔ اور اس لیے انکا ہر طرح کی بڑی سے بڑی کمزوری مین مُبتلا ہونا ممکن ہوگا۔ انکے احکام کی خلاف ورزی دوامًا بغاوتِ ممنوع کے تحت مین نہ آئیگی۔ بغاوتِ مذموم کی حد مین صرف یہ صورتین آسکتی ہین کہ ہم خلیفۂ معصوم کے برخلاف کسی قسم کی شورش برپا کرین یا کسی ایسے عادل بادشاہ سے عملی جنگ پر آمادہ ہون جو قطعی طور سے ہماری بہبودی کا متمنی ہے۔

اگر ہم شخص حکمران کی عصمت تسلیم کرلین تو پھر کوئی شک نہین کہ اسکے خلاف نبرد آزما ہونے والی جماعت پر بلا تکلف جرم بغاوت عائد کیا جا سکتا ہے لیکن اگر سریر جہانبانی پر بیٹھنے والا معصوم فرض نہین کیا گیا تو کوئی وجہ نہین کہ اُسکے خلاف جنگ آزما ہونا مطلقاً بغاوت قرار دیدیا جائے۔ ہان اگر اُسکا منشائے حکومت ہماری بہبودی ہو تو پھر اُسکی مخالفت کرنا ضرور بغاوت ہو سکتا ہے۔

مگر چونکہ اُس کو ایک معمولی شخص فرض کیا گیا ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ وہ عیاش و خود غرض ہو۔ قانونِ سلطنت اپنے ذاتی اغراض کو مد نظر رکھتے ہوئے بنائے۔ انفرادی فوائد اُسکے ہر حکم کے محرک ہون بنا برین اُسکی فضائے سلطنت مین ہر سانس لینے والیکا یہ فطری و بنیادی حق ہو جاتا ہے کہ اُسکے ہر بنائے ہوئے قانون کا جائزہ لے۔ اُسکی طرز حکومت کا بنگاہ غور سے مطالعہ کرے تاکہ یہ سمجھ سکے کہ انکا اقتضاء بہبودی رعایا ہے یا اپنی ذاتی منفعت و آسائش۔

اگر کبھی اُسکی سیاسی رائے مین کجی معلوم ہو یا اُسکا کوئی حکم شرعی لحاظ سے ناقابل اقتداء ہو تو آزادی سے اسپر نکتہ چینی کرے۔

اگر وہ اس آزادی خیال اور فطری حق کے استعمال کو تشدد کی وساطت سے مضمحل کرنا چاہے اگر وہ اپنی طاقت کے بل پر اپنی مخالف آوازونکو دبانا چاہے تو ہمین سمجھ لینا چاہیے کہ اُسکا منشائے حکومت ہماری بہبودی نہین ہے اور چونکہ عقلاً حکومتین اسی لیے قائم ہونی چاہئین کہ وہ محکومون کی بہبودی کی تدابیر مین مشغول رہین اور اس اپنے فرض سے کبھی تجاوز نکرین۔ لہذا یہ اُصول بالکل صحیح ہے کہ ایک خود غرض ظالم وجابر اپنے عیش وعشرت کے دلدادہ حکمران کے مقابلہ مین ہمارا مخالفت کی صفین آراستہ کرنا کسی صورت سے ہمارے کیرکٹر کے دامن پر بغاوت کا داغ نہین لگا سکتا۔

جیسا مین نے ابھی چند سطور پیشتر عرض کیا تھا کہ وہ برادران اہل تسنن جو اپنے عقیدہ مین اس ترمیم کی جرأت کرلین کہ اُن اُصول اربعہ کو لازماً انتخاب خلیفۂ واقعی کا سبب نہ قرار دین اُن کو حق حاصل ہے کہ واقعہ کربلا اور اسکے دیگر لوازم وخصوصیات کو اُصول متذکرۂ بالا کی روشنی مین دیکھین۔

یہ عاقلانہ جسارت گو رسوم تقلید کا استیصال کرتی ہو لیکن نور کو ظلمت ہدایت کو ضلالت سمجھ لینے کے مفسدۂ دماغی سے ضرور محفوظ رکھیگی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ اُس قدیمی مقلدانہ عقیدہ کی غلطی کا اعتراف اُنکے لیے اس امر کا راستہ کھول دیگا کہ وہ محض یزید کے خلیفہ ہونے کی وجہ سے اُسکا ہر فعل اچھا نہ سمجھین بلکہ اسکے افعال کا جائزہ لیکر یہ رائے قائم کرین کہ آیا وہ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ بننے کا اہل تھا

طریق تحقیق مین اس عقلی قدم کے بڑھانے سے وہ تمام ظلمتین چھٹ جائینگی جو چند مغالطہ پسند گمراہ کن نفوس نے ارادتاً واقعہ کربلا کی نوعیت کے اُفق پر پیدا کردی تھین۔

یزید کے کیرکٹر کے متعلق ایک قطعی نتیجہ تک پہونچنے کے لیے اُنھین تاریخ کے اوراق کھولنا ہونگے۔ اور پھر جبکہ شر کو خیر ظلمت کو عدل بنا دینے کا طلسم ٹوٹ چکا ہے تو کونسی چیز اُنکی نظر تجسس کو اُن ایمان سوز و شرمناک واقعات کے مشاہدہ سے روک سکتی ہے جو ابتک تاریخ کے صفحات پر محفوظ چلے آتے ہین۔

اب تو شرابخواری۔ زناکاری۔ عام جبر و تشدد و قتل مسلمین کے بیہمانہ وسفاکانہ واقعات پوری برہنگی کے ساتھ نظر آئینگے کیونکہ اُس کے کیرکٹر سے وہ پردہ سرک گیا ہے جو انتخاب خلیفہ کے چند نام نہاد خانہ ساز اُصولون نے ڈال دیا تھا۔

تاریخ کی اعانت سے جب اُنھین یزید کی اخلاقی رذیلتون کی خطرناک وسعتین پورے طور سے معلوم ہو جائینگی تو پھر اس امر کا فیصلہ کرنا کہ آیا جناب امام حسینؑ کا اسکی بیعت سے یہانتک انکار کرنا کہ میدان کربلا مین بازار جدال و قتال گرم ہو جائے بغاوت مذموم کے تحت مین آتا ہے یا نہین۔ بالکل سہل ہو جائیگا کیونکہ امتیاز بغاوت کا جو عقلی اصول ابھی بتلایا گیا ہے اُسکے بموجب یہ ہر مسلمان کا ایزدی حق ہے کہ وہ ایک بادشاہ فاسق و فاجر ظالم و جابر کے احکام متمردانہ کی اطاعت نہ کرے اور اگر مصلحت وقت مقتضی ہو اور وہ اپنے مین ہمت پائے تو اس سے جبر و تشدد کے اسلحہ چھین لینے کی ہر امکانی شریفانہ کوشش کرے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جناب امام حسینؑ ایک غیور شخص تھے۔ انکے دل مین اسلام کا سچا درد تھا۔ پس وہ اُسکی روحانی تعلیمات کو ایک خودسر ظالم حکومت کی حیا سوز نفس پرستیونکی وجہ سے برباد ہوتا کیونکر دیکھ سکتے تھے۔

اسلام کے ایک ذمہ دار رُکن ہونے کی حیثیت سے یقیناً انکا فرض تھا کہ وہ ایک سچے نڈر مسلمان کی طرح حکومت کی خلاف شریعت چیرہ دستیون کے خلاف پر زور صدائے احتجاج بلند کرتے۔ اُس کے متمردانہ احکام کے سامنے کبھی سر اطاعت

نہ جھکاتے۔

بہرحال جناب امام حسینؑ کا ظالم حکومت وقت کی مخالفت کرنا گو اُسکی نوعیتِ جارحانہ ہی کیون نہ تسلیم کرلی جائے۔ بغاوت کے تحت مین آسکتا ہے۔

البتہ اِن لوگون کی شاطرانہ صنوت گری کی ضرور داد دینی چاہیے جنھون نے شاید بپاس خاطر امیر معاویہ یزید صاحب کے جسم پر قبائے خلافت کسی کسی طرح چُست کرکے اُن کے تمام عیوب و نقائص کو کم سے کم مسلمانون کی ایک بڑی جماعت کے ردّ و طعن سے محفوظ کر دیا۔

مُجھے معلوم ہے کہ اس وقت مین کچھ ایسے افراد بھی ہین جنکا اعتقاد اصول چہارگانہ اِنتخابِ خلافت پر ہے اور ساتھ ہی یزید کو بُرا سمجھتے ہین۔

مین سچ سچ عرض کرتا ہون کہ انکی اس دورنگی کا فلسفہ اب تک میری سمجھ مین نہ آیا۔ میری راے مین تو یہ دماغ کی مضحکہ انگیز سادگی ہے کہ وہ ایسی دو باتون کا معتقد ہو۔ جو اُصولاً باہم متضاد ہین۔ یقیناً یزید سے نفرت ان اُصول کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہین ہو سکتی۔

اگر واقعی کسی کی چشم بصیرت ذنگاہِ حقیقت بین یزید کو تمام رذائل مادی کا ماخذ دیکھ رہی ہے تو اُسکو چاہیے کہ میرے مشورہ سابق کے بموجب ان اُصول کے دام فریب کو بالکل پارہ پارہ کردے۔

صرف یہی طریق کار اسکے خیالات مین تطابق پیدا کر سکتا ہے۔

باب چہارم

کیا جناب حسنین علیہما السلام کی پالیسیہ مین اختلاف تھا؟

کچھ لوگ کہتے ہین کہ جناب امام حسینؑ کو اس معاملہ مین وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے تھا

جو اُنسے پہلے اُنکے برادر بزرگوار حضرت امام حسنؑ اختیار کر چکے تھے۔ وقتی مصالح کے لحاظ سے یزید کی بیعت کر لینا سیاسی دانشمندی کا بہترین ثبوت ہوتا۔ یہ پالیسی اُن تمام مصائب سے بچا لیتی جو کربلا مین آپ کو پیش آئی تھین۔

بعضونکا خیال ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا رویہ تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے گو قابل ستائش تھا اور ایک خود دار شخص کی فطرت کے بالکل مطابق اور یقیناً آپ اپنی مساعی مین کامیاب بھی ہو جاتے لیکن بڑی دشواری یہ تھی کہ حضرت امام حسنؑ کی کمزور پالیسی نے فضائے سیاست مین اسکی صلاحیت ہی باقی نرکھی تھی کہ جناب امام حسینؑ اُسکو اپنے موافق بنا سکتے۔

یہ دو متضاد خیالات ہین۔ پہلے کا منشا یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو نشانۂ ملامت قرار دیا جائے۔ اور دوسرے کا مقصد یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ کی پالیسی پر معاندانہ نکتہ چینی کی جائے۔ ان دونون خیالات کی اسپرٹ (روح) کا اگر ذرا احتیاط سے جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ ان خیالات کے قائم کرنے والون نے یا تو عمداً واقعات کی غلط ترجمانی کر کے دنیا کو غلط فہمی مین مُبتلا کرنا چاہا۔ یا قصور فہم کی وجہ سے حقائق تاریخیہ مین کامل تدبر نہ کر سکے اور اسلیے اُنسے اس مسئلہ مین یہ بُنیادی غلطی سرزد ہو گئی کہ جناب حسنین علیہما السلام کی پالیسیونکو ایک دوسرے سے مختلف تصور کر لیا۔

جناب حسنین علیہما السلام کے حالات کا اگر ذرا غور سے مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آجائیگا کہ جناب حسنینؑ کے طریق عمل باہم مختلف نہ تھے۔ ظاہر مین گو اختلاف نظر آئے مگر باطن مین دونون طریق کار ایک معنون کے دو عنوان تعبیر تھے۔

ان حضرات کا مقصد کبھی دنیوی عروج حاصل کرنا نہ تھا انکی سیر تین۔ انکے طریقہائے زندگی اسکے شاہد ہین۔ یہ ذوات مقدسہ اگر خلافت رسولؐ کی مدعی ہوئین تو محض اسلیے کہ اپنے ابنائے نوع کو اس ذریعہ سے فائدہ پہونچائین۔ حضرت علیؑ نے اسی مقصد کو

مد نظر رکھتے ہوئے ابتداءً مین ادعاے خلافت کیا تھا اور پھر اسی مقصد کے حاصل کرنے کیلیے کچھ دنون بعد منصب خلافت قبول فرمایا تھا حضرت امام حسنؑ نے اُسی وقت اس منصب سے دستکشی فرمالی جب آپ نے محسوس کیا کہ علیحدہ ہی رہکر دین الٰہی کو مستحکم و استوار رکھا جا سکتا ہے۔

یہ بالکل قطعی امر ہے کہ اگر سیاست بنی اُمیہ خود آپ کے زمانہ مین وہ خوفناک صورت اختیار کرلیتی جسکا مقابلہ حضرت امام حسینؑ کو کرنا پڑا تھا تو آپ بھی اسی بے نظیر ثبات عزم و استقلال کے ساتھ منازل شہادت طے فرماتے۔

شہادت کا مفہوم یہ نہین ہے کہ انسان خود اپنے کو تہلکہ مین بلا کسی مصلحت شرعیہ کے ڈال دیے۔ یہ فعل بجاے قابل ستائش ہونے کے اسلامی نقطۂ نظر سے ممنوع قرار پاتا ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ قرآن مجید کا حکم ناطق موجود ہے۔ جان دینا اسیوقت شہادت کا مصداق قرار پا سکتا ہے جبکہ ہم تمام شرائط شرعیہ ملحوظ رکھتے ہوئے اس قسم کی جرائت کرین۔ ہم اگر بغیر جان دیے اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہین تو اسوقت شرعی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اُن باتون سے احتراز کرین جو ہلاکتِ نفس تک منجر ہون۔ ہان اگر ایسی صورت پیش آئے کہ موت سے محترز رہنا ہمارے اُس مقصد کو جسکی تکمیل ایزد تعالےٰ نے ہماری زندگی کا اصلی منشا قرار دیا ہے باعث بربادی ہو تو یقیناً ہمارا فرض ہوگا کہ ایک بیخوف حق پرست انسان کی طرح نہایت خوشی سے موت کی صعوبتین برداشت کرین۔ یہ ہمارا جان دینا یقیناً شہادت کے تحت مین آسکیگا۔

اِس اُصول کی بنا پر حضرت امام حسنؑ بغیر کسی ضرورت شرعیہ کے کیونکر اپنے کو کسی تہلکہ مین ڈال سکتے تھے۔

امیر معاویہ نے آپ سے بیعت نہین چاہی تھی شرائط مصالحت مین آپ کی روحانی سیادت قائم رکھی تھی۔ گو امیر معاویہ دل سے خاندان رسالت کے استیصال کے درپے

تھے لیکن سیاسی مصالح سے مجبور ہوکر انھون نے اسکا ارادہ نہین کیا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کو کھُلے میدان مین قتل کردین۔ اس موقع پر وہ اسی کو غنیمت سمجھے کہ جناب امام حسنؑ امر خلافت سے دستکشی فرمالین۔

اسکا یہ منشا نہین ہے کہ جناب امام حسنؑ امیر معاویہ کی سیاسی گہری چالین نہ سمجھ سکے اسلیے اُنکے بچھائے ہوے مکّاری کے جال مین گرفتار ہوگئے۔ اور منصب خلافت سے دستکشی فرماکر اپنے اقتدار کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا لیا۔ یونتو نکتہ چینی کیلیے ہر جگہ گنجائش ہے۔ زبان پر کوئی پہرہ نہین بٹھا سکتا۔ البتہ سوال یہ ہے کہ آیا وُہ چینی دلائل کی رو سے معقول بھی ہے۔

اس زمانہ مین واقعات کی لہر اہلبیت نبوی کے بالکل مخالف جارہی تھی نفاق کا بازار گرم تھا۔ جناب امام حسنؑ کی معیت کیلیے کوئی کوفی خلوص دل سے تیار نہ تھا آپ اگر امر خلافت سے دستکشی نفرماتے بلکہ امیر معاویہ سے جنگ آزما ہر صورت ہوتے تو کس طرح۔

جہاد کی کوئی شرط موجود نہ تھی۔ شہادت کا مناسب وقت ابھی آیا نہ تھا کشتی اسلام خطرہ مین ضرور تھی لیکن اسکے بچانیکا ابھی بظاہر ایک ذریعہ موجود تھا۔ اختتام حجت کے طور پر اُسکی آزمائش بھی ضروری تھی۔

کوئی شبہ نہین اگر امیر معاویہ یزید کی سی پالیسی اختیار کرتے تو جناب امام حسن بھی وہی طرز اختیار فرماتے جو جناب امام حسینؑ نے اختیار کیا یا اگر یزید معاویہ کی سی پالیسی کو اختیار کرتا اور جناب امام حسینؑ سے اس قسم کی اطاعت کا طالب نہ ہوتا جس کو کبھی کوئی باایمان خود دار شخص گوارا نہین کرسکتا تھا تو یقیناً شہید کربلا اپنے بھائی کی پالیسی پر قائم رہتے۔

مین کہہ چکا ہون اور پھر کہتا ہون کہ ان حضرات کا زندہ رہنا اور جان دینا

ایک ہی مقصد کی تکمیل کیلیے تھا۔ زندہ رہے تو محض اسلیے کہ انسانیت کو حیوانیت مین جذب ہونے سے بچائین۔ جان دی تو اسی خاطر کہ مادیت کے شور و غوغا مین حق کی آواز نہ دب جائے۔

اُنکے دلون مین نہ تو زندگی کی کوئی آرزو تھی نہ موت کا کوئی خوف اُنکی آنکھونکو وہی چیز اچھی اور خوبصورت معلوم ہوتی تھی جو اُنکے مقصد کی کوئی منزل طے کرانیکی اُمید دلاتی۔

حضرت امام حسنؑ نے اگر خلافت سے دستکشی فرمائی اور امیر معاویہ سے مصالحت پر آمادہ ہوگئے تو اسی لحاظ سے کہ قوم کی بیوفائی اور غداری دیکھتے ہوئے اسلام کے مستحکم رکھنے کا اُن حالات مین صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ شرائط صلح کی رو سے روحانی ریاست آپ کی معاویہ نے تسلیم کرلی تھی حضرت علیؑ پر سب و شتم کا جو رواج ہو گیا تھا اس سے باز رہنے کی دفعہ معاہدہ مین موجود تھی۔ یہ دونون باتین ایسی تھین کہ انکے ذریعہ سے بہت کچھ اسلام کی آیندہ بہبودی کے متعلق تدبیرین ہو سکتی تھین۔

ان تمام حالات کی موجودگی مین کوفیون کی بیوفائی دیکھتے ہوئے جناب امام حسنؑ کا ان شرائط پر مُصالحت کرلینا عین مصلحت شرعی تھا۔ مگر جب آپکا انتقال ہوگیا اور امیر معاویہ نے بھی اپنی زیست کے دن پُورے کیے تو سیاسی حالات نے دوسری کروٹ لی۔ امیر معاویہ کی گدّی پر یزید بیٹھا جناب امام حسنؑ کے جانشین حضرت امام حسین ہوئے یزید نے معاویہ شاہی تشدّد کو کئی قدم اور آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ اُس نے چاہا کہ جناب امام حسینؑ سے کسی نہ کسی طرح بیعت لیکر اپنی ہوس رانیون کے راستے آسیب مخالفت سے محفوظ کرلے۔ جناب امام حسینؑ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اسوقت اگر یزید کی بیعت کیگئی تو اسکا اثر شریعتِ اسلامیہ پر کیسا پڑیگا۔ ایسی صورت مین آپ کیونکر اُسکو روا رکھ سکتے تھے کہ وہ شریعت جسکے رواج دینے کے لیے جناب احدیت نے آپکے

جد معظم کو مبعوث فرمایا تھا چند سیاہ کار افراد کی دست درازیوں سے پامال ہو۔
ایک روحانی ہستی اسے کیونکر پسند کر سکتی ہے کہ اسکی آنکھوں کے سامنے روحانیت کے اصول مٹانے کی کوششیں ہوں اور وہ خاموشی سے دیکھتی رہے۔

جناب امام حسینؑ کا یزید کی اس قسم کی بیعت کر لینا یقیناً اس مقصد کو شکست دینا جسکے لیے ان حضرات کی تخلیق ہوئی تھی۔ جناب امام حسینؑ اسی مقصد کی خاطر جسکے لیے جناب امام حسنؑ نے مصالحت فرمائی تھی ملن حالات کے رونما ہونے پر اس امر پر مجبور تھے کہ بیعت یزید سے انکار کر دیں۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جناب امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دینے کے بعد بھی اپنے نفس کی ہر امکانی حفاظت کی ہے۔ یہانتک کہ آپ عرب چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ دو امروں میں سے آپ کے لیے ایک امر کا اختیار کرنا ضروری ہے یا بیعت کریں یا جان دیں تو آپ نے نہایت خوشی سے دوسری صورت کو اختیار فرمایا کیونکہ اسوقت کے حالات دیکھتے ہوئے اسلام کے تحفظ کا وہی واحد اور مؤثر ذریعہ تھا۔

ان واقعات پر نظر غائر ڈالنے سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسین علیہما السلام کی پالیسیاں بالکل متحد تھیں دونوں کا مقصد ایک تھا جناب امام حسینؑ نے جو طریقہ عمل معاویہ کے زمانہ میں اختیار کیا تھا وہ یقیناً اسوقت کے لحاظ سے بہترین طریقہ تھا۔ آپ کے لیے اُسکے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہ تھا جناب امام حسینؑ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ اسوقت کے لحاظ سے مناسب تھا۔ بہرحال دونوں کا مقصد ایک ہی رہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت امام حسن کی پالیسی غلط تھی یا حضرت امام حسینؑ کی۔ تاریخی نقطہ نظر سے قابلِ شرم جرأت ہے۔

ایک کی غلطی اور دوسرے کی صحت کا تو وہاں حکم لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں پالیسیاں مختلف ہوں اور یہاں تو دونوں معصوموں کی پالیسی ایک ہی رہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ واقعات

کی رفتار نے ایک معصوم کی پالیسی کو ظاہری نظر میں صلح پہ ختم کیا اور دوسرے کی اُسی پالیسی کو شہادت پر

باب پنجم

کیا کربلا مین جناب امام حسین کسی دُنیوی مقصد سے لڑے؟

بعض لوگونکا یہ بھی خیال ہے کہ میدان کربلا کی دونون متحارب جماعتین محض مادی اور سیاسی اغراض کی وجہ سے باہم جنگ آزما ہوئی تھین۔ یہ خیال فی الحقیقت نہایت عجیب وغریب ہے۔

ایسی باتون سے زبان وقلم کے آلودہ کرنے والے اگر پیشتر ذرا دقت نظر سے اِس عظیم الشان لڑائی کے جزئیات کا فلسفۂ تاریخ کے اُصول مدّ نظر رکھتے ہوئے مطالعہ کر لیتے تو یقیناً انکو اس قابل مواخذہ جسارت کی جرأت نہ ہوتی۔

کوئی شک نہین۔ جناب امام حسینؑ کا منشا اِس جنگ کی شرکت سے صرف اپنے نانا کی مقدس تبلیغی فرض کا تکمیل کو پہونچانا اور روحانیت کی منزلت کا قلوب مین قائم رکھنا تھا البتہ اسکے برخلاف یزید کا مقصد ضرور خالص سیاسی اور مادی تھا۔

اس شہادت کے ابتدائی منازل پر صرف سرسری نظر ڈالنا میرے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔

یہ ایک صاف بات ہے کہ اگر جناب امام حسینؑ کا منتہائے نظر صرف سریر حکومت کا حاصل کرنا ہوتا تو وہ افواج کے اجتماع۔ لوگونکو اپنی طرف مائل کرنیکی پوری کوشش فرماتے اسکے لیے وہ بہت سی جائز وناجائز حکمت عملیون سے کام لے سکتے تھے جو شخص صرف مادی حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسکی قطعی پروا نہین کرتا کہ اپنے مقصد مین کامیاب

ہونے کیلیے اُسکو کن ذریعونسے کام لینا پڑیگا۔ وہ صرف وقت اور ضرورت کا بندہ ہوتا ہے اسکے نزدیک کذب وصدق دیانت وخیانت یکسان حیثیت رکھتے ہین وہ حکومت حاصل کرنے کے یے ذلیل سے ذلیل تدبیرون سے کام لینے مین کوئی پس وپیش نہین کرتا۔ میرے اس دعوے مین جسکو کوئی شک ہو وہ جماعت سیاسی کے اقوال وافعال کا ذرا غور سے جائزہ لے تو اُسپر یہ حقیقت خود بخود منکشف ہوجائیگی کہ مادی سیاست مین روحانیت واخلاقیت کا کوئی ذکر نہین۔ سیاسیئین کی نظرون مین وہی پالیسی زیادہ کامیاب اور موثر ہے جس مین خودغرضی اور خدعی کا عنصر اچھی طرح شامل ہو۔

جناب امام حسینؑ اگر صرف مادی حکومت حاصل کرنا چاہتے تو بہت آسانی سے اپنے جھنڈے کے نیچے ایک بڑی جماعت مجتمع فرمالیتے جو یزید جیسے عیاش شخص کی سرکوبی کے لیے کافی ہوتی۔ لیکن نہین آپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس قسم کی تدابیر سے کام لیکر مقصد روحانیت کو کوئی فائدہ نہین پہونچا سکتے۔

خاندان نبوت کا ہر معصوم ممبر ہمیشہ اپنا فرض سمجھتا رہا کہ کسی پاک مقصد کے حصول کا ذریعہ ناجائز اُمور نہ بنائے۔ صرف یہی ایک امر اُنکے ہر فعل وہر سعی کی روحانیت کا ضامن قرار پاسکتا ہے۔ اگر وہ حضرات اس امر کا خیال نہ رکھتے تو یقیناً دنیوی عروج حاصل کرلیتے اور ایسا عروج حاصل کرتے کہ آج مادیئین کے رشک وحسد کی نگاہین اُسپر پڑتین۔ یہ حقیقت کہ جناب امام حسینؑ کسی مادی غرض سے نہین لڑے اس امر سے اور واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے نہ صرف یوم شہادت سے بیشتر میدان کربلا مین اس روحانی سفر کی بہت سی منزلون مین اپنے کل ہمراہیونسے فرمادیا تھا کہ مین اس لڑائی مین فتح ظاہری حاصل کرنے کیلیے نہین آیا ہون۔ جن لوگون کے دلون مین یہ غرض پنہان ہو وہ میری معیت سے علحدہ ہوجائین اُنکو ابھی موقع ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سنکر بہت سے

کمزور لوگ چلے بھی گئے۔ یہ واقعہ ایسا نہین ہے کہ اسپر مورخین سرسری طور سے نظر ڈالتے ہوئے گذر جائین یہ صاف بتلاتا ہے کہ اگر جناب امام حسینؑ کسی مادی غرض سے شریک جنگ ہوتے تو وہ کبھی مجمع لوگونکو منتشر نفرماتے۔

کسی گرے سے گرے کمزور دماغ مین یہ بات نہین آسکتی کہ ایک شخص حکومت دنیا کا طلبگار اسطرح لوگونکو ترغیب انتشار دیگا۔ میری راے مین صرف یہی ایک واقعہ شہادت جناب امام حسینؑ کی روحانیت واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

اس سے ہر با فہم شخص سمجھ سکتا ہے کہ آپ شہادت کے ذریعہ سے چونکہ روحانیت کی عظمت قائم رکھنا چاہتے تھے اسلیے اسکو پسند نفرمایا کہ وہ لوگ جنکے دماغ آپکے عالی مقصد کی بلندی نہین سمجھ سکتے اس جنگ مین شریک ہو کر آپ کے مقصد کو کمزور کردین۔

یہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ (جو صرف ظاہری فتح کو فتح سمجھتے تھے اور جنکی بصیرتین اس قابل نہ تھین کہ کامیابی شہادت کی نورانی منزلین دیکھ سکتین) یقیناً اُن زلزلہ سامان تکالیف و مصائب کا مقابلہ نہین کر سکتے تھے جو شہیدان کربلا کی زندگی کے آخری لمحون مین پیش آنے والے تھے۔ انکا اضطراب اُنکا ضعف اعتقاد بہت ممکن تھا کہ شہادت کی عظمت کسی حد تک زائل کر دیتا بنابرین یہ آپ کی بڑی دانشمندانہ روحانی سیاست تھی کہ آپ نے باحسن اسلوب ایسے لوگونکو جدا کر کے شہادت کی دُشوار گذار منزلون کو نہایت اطمینان و سکون سے طے کیا اور جس مقصد کے لیے آپ اس جنگ مین شریک ہوئے تھے اس مین کسی قسم کا ضعف نہ پیدا ہونے دیا۔

یہ صحیح ہے کہ جناب امام حسینؑ نے شہادت سے کچھ دنون پیشتر حضرت مسلم کو کوفہ اس غرض سے روانہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کے لیے وہان کے باشندون سے بیعت لین چنانچہ حضرت مسلم تشریف لے گئے اور ابتدا مین بظاہر کامیابی آپ کی کوششون کے ہم آغوش رہی لیکن بہت جلد۔ کوفیون۔ مکار کوفیون نے بیعت کا پاس و لحاظ کیے بغیر

عبید اللہ ابن زیاد کی بیعت قبول کر لی اور ان تمام واقعات کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسلم ابن عقیل مع ہانی ابن عروہ کے وہان شہید کر ڈالے گئے۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ آپ کا حضرت مسلم کو کوفہ بھیجنا صرف مادی حکومت حاصل کرنیکا مقدمہ تھا۔

آپ نے اپنی طرف سے حضرت مسلم کو نہین بھیجا تھا۔ کوفیون نے بہم خطوط بھیجے آپکو آنے پر ہر طرح مجبور کیا۔ بعض پر جوش لکھنے والون نے تو یہانتک لکھا کہ اگر آپ تشریف نہین لائینگے تو اپنے فرض امامت کی انجام دہی مین کوتاہی کرینگے۔ ایسی صورت مین بحیثیت حامل منصب امامت آپکا فرض تھا کہ کوفیون کی ان التماسون کو قبول کرتے۔ اسی بنا پر باوجودیکہ آپ اچھی طرح واقف تھے کہ کوفی نہایت غیر مستقل ہین آپنے کوفہ جانیکا مستحکم عزم فرمالیا۔

اگر نگاہِ غور سے دیکھا جائے تو آپکا وہان جانا بھی روحانیت ہی کی خدمت انجام دینے کے لیے تھا۔ جو لوگ روحانیت حاصل کرنیکا اشتیاق اور اتنا اشتیاق ظاہر کرین اُنکی خواہشونکو ایک مجسمۂ روحانیت ہستی کیونکر مسترد کر سکتی تھی۔

آپ جانتے تھے کہ اس سفر کا انجام کیا ہے۔ اسی لیے آپ نے متعدد مقامات پر اپنی شہادت کی پشین گوئی بھی فرمادی تھی۔ آپ صاف صاف فرماتے تھے کہ مین وہان کسی اور مقصد اعلیٰ کے لیے جارہا ہون۔ ان تمام واقعات کو ملاکر اگر کوئی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے تو صرف یہی کہ جناب امام حسینؑ کا یہ سارا سفر روحانیت مین ڈوبا ہوا تھا۔ آپ کا منشا کسی طرح صرف جاہ دنیوی و مادی حکومت کا حاصل کرنا نہ تھا۔

آپ اپنی شہادت سے واقف تھے اور تمام آنے والی مصیبتون سے خبردار۔ آپنے اس منزل سخت و صعب مین بلا ارادہ قدم نہ رکھا تھا۔ آپ یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس وقت روحانیت کے تحفظ کا بہترین طریقہ صرف یہی ہے کہ مین خوشی خوشی خبر بلید ایم

اپنا گلا رکھدون۔

آپ شہادت کا آئیڈیل (مثالیہ) دُنیا کے سامنے پیش کیا چاہتے تھے۔ اور اُس کے لیے آپ کا تمام حجتین ختم کر دینا نہایت ضروری تھا۔ یہی تو وجہ تھی کہ آپنے ہر موقع پر نہایت ملائمت برتی ہے۔ اپنی طرف سے حفظ نفس کا کوئی احتیاطی پہلو جو اُصول خودداری و منزلت مذہب سے متصادم نتھا فروگذاشت نہین فرمایا۔ انکو ہر طریقہ سے سمجھایا۔ ان کی غلطیون کو واضح کیا۔ بیعت کے علاوہ دوسرے اُمور پر اپنی آمادگی بھی ظاہر کی۔ مادی سلطنت سے کوئی سروکار رکھنے کا بھی اعلان کیا۔ کئی موقعون پر سرداران عسکر یزید سے یہ بھی کہا کہ مین عرب چھوڑنے کیلیے تیار ہون۔

وہ لوگ جو اس شہادت کے حقیقی رُموز تک نہین پہونچ سکے اس موقع پر طرح طرح کی غلطیان کرتے ہین۔ کوئی کہتا ہے جناب امام حسینؑ کا اسطرح سے جان دینا سیاسی غلطی تھی۔ آپ کو کافی فوج جمع کرنی چاہیے تھی۔ کوئی کہتا ہے سامان رسد اچھے طریقہ سے مجتمع نہین کیا تھا اور محض یہی امر فن حرب سے آپ کے ناواقف ہونیکی دلیل ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ ایسی لڑائیون مین عورتونکو ساتھ لیجانا مقتضائے دانشمندی نتھا۔

اِن اعتراضات کے کرنے والے افسوس ہے کہ اس شہادت کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین اگر واقع مین جناب امام حسینؑ کا مقصد صرف تحصیل جاہ ہوتا اور اسوقت مین یہ فروگذاشتین ہوتین تو یقیناً معترضین کو موقع تھا کہ وہ اِس قسم کی نکتہ چینیان کرتے۔ لیکن اِس شہادت کا تو یہ مقصد ہی نہ تھا۔ آپ تو اس طریقہ سے مظاہر مادیت کی رونق مٹانی چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے اِن کل اُمور کا اختیار کرنا ضروری تھا۔ اِس کام کے لیے کثرت تعداد کی ضرورت نہ تھی۔ تھوڑے سے آدمی مگر ہر طرح سے مکمل۔ کافی تھے۔

یہ کوئی مبالغہ نہین ہے کہ ان بہتر نفوس عالیہ نے جو کام کیا وہ بہتر کرور نہ کر سکتے تھے۔

یہ بھی کسقدر تعجب خیز و حیرت انگیز امر ہے کہ ان ہی باتون سے کوئی تو یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ جناب امام حسینؑ سیاست و فن حرب کے بہترین ماہر تھے۔ اور کوئی یہ کہ جناب امام حسینؑ مین گو جملہ خوبیان موجود ہون۔ لیکن وہ فن جنگ و اصول سیاست مین کوئی دخل نہ رکھتے تھے۔

اس امر کا فیصلہ کہ کس جماعت کی رائے صحیح ہے معقول طریقہ پر تو انشاءاللہ قیامت کے دن ہوگا۔ لیکن اگر اصول عقلیہ کی مراعات کرتے ہوئے سچے نتائج تک پہونچنے کی سعی صادق کی جائے تو بڑی حد تک اس اختلاف کی وسعت کم ہو سکتی ہے۔

باب ششم

کیا جناب امام حسین پر گریہ کرنا معصیت ہے؟

یہ بھی ایک سوال ہے جو مختلف شکلو مین شہادت کے بعد کی ہر صدی مین مخالف زبانونسے ادا ہوتا رہا ہے۔ کوششین کی گئی ہین کہ اسپر فلسفیانہ رنگ چڑھا کر لوگونکو اس تذکرہ سے باز رکھا جائے مگر اس قسم کی کوششونکا نتیجہ جیسا دنیا مین ہوتا آیا ہے ویسا ہی انکا بھی ہوا۔

چونکہ یہ مسئلہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکا ہے اسلیے مین اسکے ہر پہلو سے بحث کرنیکی کوشش کرونگا۔

مخالف گریہ جماعت کا اگر افرادی تجزیہ کیا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ اس جماعت کی بڑی تعداد مادیت کے طرفدار یزید کی حامی ہے۔ اُسکے کانون کو روحانیت کا تذکرہ

مصائب کربلا کا ذکر خوشگوار نہین معلوم ہوتا اور اس لیے یہ لوگ اپنے معاندانہ جذبات کو اس پردہ مین ظاہر کرتے ہین اُنکے ایک بڑے استدلال کا مآل یہ قرار پاتا ہے کہ چونکہ اُنکی جماعتِ مخالف مین تذکرۂ مصائبِ اہلبیت رسول پر گریہ کا رواج ہے اور وہ جماعت اُنکے خیال مین تمام عالم کی خرابیونکا مجموعہ ہے اِسلیے رواج گریہ گو وہ کسی نوع کا ہو مذموم ہے۔ اسی جماعت کے وہ افراد جنھون نے مادی فلسفہ کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے وہ مذمومیتِ بکا پر یہ استدلال پیش نہین کرتے وہ اپنی مخالفت اِس استدلال کی آڑ مین ظاہر کرتے ہین کہ گریہ علامتِ دعلتِ جبن ہے اور جو شئے ایسی ہو وہ مذموم ہے اسلیے گریہ قابل احتراز شئے ہے۔

پہلی دلیل مخالفت گریہ کی (کوئی شک نہین) نہایت عجیب و غریب ہے اُس استدلال کو اگر اُسی قدر وسعت دیجائے جسکی وہ جائز طور سے مستحق ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اِس قسم کے اِستدلال پیش کرنیوالے افراد کو بہت سی انسانی خوبیونسے دامن کشی کرنی پڑیگی۔

عقل کا اقتضا یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا حسن و قبح جانچتے وقت دماغی دنیا کو ہر قسم کے مُہلک تعصبات سے پاک وصاف رکھین۔ اگر ہم نے کسی مسئلہ سے بحث کرتے وقت اِس اُصول کو پیش نظر نہین رکھا تو یہ یقینی ہے کہ ہمارے نتائج مفید قطع نہ ہونگے اور نہ خود اُنپر کبھی بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

استدلال سابق سے یہ صاف پتہ چل رہا ہے کہ اولاً قومی عناد کی وجہ سے ایک قوم کو مجسمۂ رذائل سمجھ لیا گیا اور پھر اُس پُر تعصب عقیدہ کو اس قیاس کا کبریٰ بنادیا گیا کہ مجلس عزا کا منعقد کرنا خصوصیت فلان قوم ہے اور وہ قوم مجسمۂ رذائل ہے۔ لہٰذا مجلس عزا کا منعقد کرنا اور اسمین گریہ و بکا کرنا ذلیلت ہے۔

ایسے قیاسات کو عقل صحیح کبھی نگاہ احترام سے نہین دیکھ سکتی۔ جذبۂ تعصب و منافرت سے مدد لیکر کسی دل خوشکن رائے کا قائم کرلینا ممکن ہے تھوڑی دیر کیلیے قومی غرور کو

بظاہر خوبصورت لباس پہنادے لیکن وہ راے (کوئی شک نہین) محققین کے نزدیک صرف مذاق کا سرمایہ ٹھہرگی۔

غور توکرو کسی قوم کا مجسمۂ رذائل ماننا موقوف اس امر پر ہے کہ ہم فرداً فرداً اُنکی ہر خصلت بُری ثابت کرین اور اگر اُسکی کسی خصلت کا بُرا ہونا اس مقدمہ سے ثابت کیا گیا کہ وہ قوم مجسمۂ رذائل ہے تو یہ صاف صاف دور جاریگا جو عند العقل ایک امر محال ہے۔

بہرحال تذکرہ مصائب اہلبیت رسولؐ کے گریہ کے عدم جواز پر یہ استدلال پیش کرنا قابل مضحکہ ہے تعجب ہے بعض فاضل علماے اہل تسنن نے ان اُمور کے عدم جواز کا فتویٰ اس خوف سے کیونکر دیا کہ کہین تشبہ بالروافض نہو جائے۔

اب صرف دوسرا استدلال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بُکا علّت وامارت جبن ہے اسلیے اس سے محترز رہنا بیحد ضروری ہے۔ اس استدلال کی عمارت چونکہ فلسفہ کی بُنیاد پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسلیے اُس سے بحث کرتے وقت میرا فرض ہے کہ خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس خیال کی کمزوریان نمایان کرون۔ اس کے لیے ہمین اولاً ماہیت گریہ پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا چیز ہے۔

مسئلۂ بُکا۔ گریہ اُس رُطوبت کے بہنے کو کہتے ہین جو آنکھون سے کسی رنج یا غم کی وجہ سے جاری ہو جاتی ہے۔ ہمارا جب کوئی ایسا پیارا دوست جسکی ذات سے ہماری زندگی کی ساری شریفانہ دلچسپیان وابستہ ہون جسکا وجود ہمارے لیے بے شمار مسرتون کا سلسلہ ہو نظرون سے ہمیشہ کیلیے اوجھل ہو جائے تو یقیناً فطرت کا تقاضا ہوگا کہ ہمارا قلب جذبۂ حزن والم سے معمور ہو جائے۔ انسان جب تک اپنے پہلو مین انسانی قلب لیے ہوئے ہے ایسے دلخراش و غم انگیز مواقع پر متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا اس جذبۂ حزن والم کے مختلف آثار ہوتے ہین۔ کچھ باطن سے تعلق رکھتے ہین کچھ ظاہر سے۔

جذبۂ الم جب غیر معمولی شدت اختیار کر جاتا ہے تو اُسکے اثر کے طور پر بسا اوقات

ہماری آنکھون سے ایک رطوبت بہنے لگتی ہے جس کو ہم اپنی زبان مین آنسوؤن سے تعبیر کرتے ہین۔

اِس رطوبت کا آنکھون سے جاری ہو جانا غیر اختیاری ہے اور اس لیے فی نفسہ ذات بکا کو مذمومیت سے متصف نہین کیا جا سکتا۔

غور کرو اگر ہماری آنکھون کو کوئی ایسا پھول نظر آئے جو خوشنمائی و نفاست رنگ مین اپنی نظیر نہ رکھتا ہو جسکی عطر بیزی و شادابی اپنی مثل آپ ہو اور اُس کے دیکھتے ہی ہمارے قلب کو سرور و انبساط حاصل ہو جائے۔ چہرہ پر سرخی مسرت کی لہر دوڑ جائے۔ تو کیا یہ ہمارے اضطراری اعمال انگشت نمائی کے مستحق ہو سکتے ہین یا کسی کو اسکا حق پہونچ سکتا ہے کہ ہمکو نشانہ طعن و ملامت بنائے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت انسان ہونے کے اِس قسم کے جذبات کے مورد بسہولت بن سکتے ہین۔ اور چونکہ انکے پیدا کرنے مین ہمارے اختیار کے ہاتھونکو کوئی واقعی دخل نہین ہوتا اسلیے مخصوص موقع پر ان اضطراری امور کے واقع ہونے پر ہمین کوئی برا کہنے کا مجاز نہین۔

اب رہا یہ خیال کہ بکا علت جبن و مورث بزدلی ہوتا ہے قابل تسلیم نہین کیونکہ بکا کے وقت آنسوؤنکا بہ جانا طبًّا اچھا ہے کیونکہ اس طرح غم و الم کے تاریک بادل جو قلب پر چھائے ہوئے ہین بارش اشک سے ہلکے پڑ جائینگے۔

چونکہ اِس استدلال کا ماخذ جہانتک مین خیال کرتا ہون انگریزی کی ایک کتاب Plato's Republic (جمہوریہ فلاطون) ہے اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو خیالات اُس کتاب مین وارد ہوئے ہین اُنکا ملخص یہان درج کر کے اچھی طرح واضح کر دیا جائے کہ وہ خیالات نظر حق پسند مین کہانتک سما سکتے ہین۔ اِس طرح اصل اعتراض کا بھی بیخ و بن سے استیصال ہو جائیگا کیونکہ جمہوریہ فلاطون کے خیالات کا ابطال اس اعتراض کی اُن تمام شکلون کیلیے جو کبھی فرض کی جا سکتی ہین جواب شافی ہوگا۔

سقراط نے ایک شخص سے انصاف کی ماہیت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مسئلہ بکا کے متعلق ضمناً اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اس جگہ مین اس امر سے تعرض کرنا نہین چاہتا کہ جمہوریۂ فلاطون آیا فی الحقیقت سقراط کے خیالات کا آئینہ ہے۔ البتہ اتنا عرض کرنا شاید بےمحل نہو کہ اُس کتاب مین بہت سے ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلامی معیار تہذیب سے گرے ہوئے ہین بہر حال سقراط کہتا ہے کہ گریہ باعث و علامت جبن ہے۔ کوئی بہادر شخص کسی اچھے شخص کی موت پر اظہار تاسف نہین کر سکتا۔ اُسکی راے ہے کہ جن اشعار مین دیوتاؤن کے گریہ و بکا کا تذکرہ ہے وہ محض غلط ہین۔ شعرا نے اس قسم کے اختراعی واقعات کو اشعار کا لباس پہنا کر قومی نشو و نما کو سخت نقصان پہونچایا۔ اس قسم کے اشعار اگر قوم کی یادداشت کے صفحون سے مٹا دئے جاتے تو بہت مناسب تھا۔ اُسکا خیال ہے کہ بہادر آدمی چونکہ کبھی موت سے نہین ڈرتا۔ اُسکے نزدیک اجل کوئی خوفناک چیز نہین ہوتی اسلیے ایسی صورت مین ہمکو اس کے منشاء کے برخلاف اسکی تکالیف و صدمات پر اظہار تاسف کرنا یقیناً نازیبا ہے آخر مین سقراط کہتا ہے۔

Then, if so. he will not lament over sah a person, as if some disaster had befallen him

جبکہ موت اُس کے نزدیک مہیب چیز نہین تو پھر اسپر اظہار نالہ و شیون کرنا گویا وہ کسی عظیم مصیبت مین گرفتار ہو گیا ہے ایک بے معنی بات ہے۔

یہ ہے سقراط کے خیالات کا ملخص۔ اس سے دو باتین حاصل ہوئین اول تو یہ کہ بزرگان دین کبھی نہین روے دوسری یہ کہ ہمکو انکے مصائب پر گو وہ کتنے ہی جانگسل کیون نہ ہون افسوس نہ کرنا چاہیے۔

میری ناقص راے مین اسکے یہ دونون خیال قابل تسلیم نہین ہین -

اُسکا پہلا خیال کہ بزرگان دین کبھی نہین روئے - ظاہر ہے کہ مسلمانونکی نگاہ عقیدت کسی طرح اپنی طرف جذب نہین کرسکتا - کیونکہ انکی الہامی کتاب اس قسم کے متعدد واقعات تاریخی پیش کرر ہی ہے -

حضرت یعقوبؑ حضرت یحییٰؑ کے واقعات جن الفاظ کی وساطت سے قرآن مجید مین مذکور ہین وہ سقراط کے اس خیال کی مساعدت نہین کرتے -

سقراط آسانی سے اپنے شعرا کے بیان کردہ واقعات کو غلط ٹھہرا سکتا ہے - اُنکے اشعار کو الہامی حیثیت حاصل نہین ہے - مگر مسلمانون کی کتاب جو انکے ایمان و اعتقاد کا سرچشمہ ہے وہ ایک بالکل جُداگانہ حیثیت رکھتی ہے - کوئی مسلمان اسکے ایک جملہ ایک واقعہ کے تغلیط کی جرأت نہین کرسکتا - اسکو حق حاصل نہین ہے کہ وہ اپنے عقل کے حاصل کردہ نتائج کو جنکی صحت و واقعیت مشکوک ہے اتنی اہمیت دے کہ محض ان کے بھروسہ پر قرآن کے بیان کیے ہوئے واقعات غلط بتلا دے - بلکہ برخلاف اُسکے وہ مجبور ہے کہ جن واقعات کی صحت کا فرقان حمید سے فتوی مل جائے اُنکے سامنے سر تسلیم جھکا دے -

ان برگزیدہ حضرات کے گریہ کا قرآن مجید مین مذکور ہونا ہمارے لیے اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ گریہ باعث جبن کسی طرح نہین ہو سکتا کیونکہ اگر گریہ باعث جبن یا علامت جُبن ہوتا تو خدا کے وہ خاص بندے کبھی اشکبار نظر نہ آتے -

سُقراط دیوتاؤن کے گریہ کا محض اس لیے اقرار نہین کرنا چاہتا کہ وہ اسکی نظر مین علامت جُبن ہے اور اسلیے اگر اس حقیقت تاریخی کا اسنے اعتراف کرلیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ عام پبلک اسکو مستحسن سمجھنے لگے گی اور اس طرح اسکے خیال کے بموجب تمام قوم کی قوم مرض جُبن مین گرفتار ہوجائیگی اور اُس جُبن کا خوفناک نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قوم کارزار حیات مین دوسری دلیر اقوام سے پسپا ہوکر اپنا وجود فنا کے آغوش مین دے دیگی -

ہمکو سُقراط کے اس موہوم خدشہ سے بھی خائف ہونے کی کوئی وجہ نہین کیونکہ تاریخ نے ہمارے لیے اتنا مواد فراہم کر دیا ہے کہ ہم اُنکا مطالعہ کر کے اسکا فیصلہ کرلین کہ آیا واقعی وہ اقوام جنمین گریہ کا رواج رہا ہے دُنیا مین کسی قسم کی ترقی نہین کرسکیتن شیعہ قوم مین گریہ کا رواج ہمیشہ رہا ہے اور ہے اُسکی تاریخی ابواب کا مطالعہ کیجیے صاف نظر آئیگا کہ یہ قوم باوجودیکہ گریہ کی اسقدر شیدا رہی لیکن پھر بھی ترقی کی کوئی منزل ایسی نہین ہے جو اُسنے طے نہ کی ہو۔ ارتقاے حضارت کا کوئی شعبہ ایسا نہین ہے جو اسکی دماغی قابلیتونکا ممنون نہو۔

باوجود افرادی قلت کے اسنے تمدن کے پودے کی جس جانفشانی اور تندہی سے آبیاری کی وہ تاریخ اسلامی کی واضح ترین حقیقت ہے۔

خلفائے فاطمیین کی مُلکی ترقیان اوراق تاریخ پر ابتک ثبت ہین۔

شاہان صفوی کی اولوالعزمیون اور انکی حوصلہ مندیون کی دنیا ابتک معترف ہے

موجودہ زمانہ مین جو اس کو تنزل ہے اُسکے اسباب وعلل کی سیاہ فہرست مین گریہ درج نہین کیا جاسکتا۔ یہ نتیجہ ہے مغرب کی اس عالمگیر چیرہ دستی اور مادی تفوق کا جس نے تمام مشرق کے قواے عمل کو مفلوج بنا رکھا ہے۔ اِس خوفناک طوفان تنزل کے تھپیڑون سے مشرق کی کوئی قوم بھی محفوظ نہین ہے خواہ گریہ پرست ہو یا گریہ کُش اِس عام تباہ کن طوفان سے شیعہ قوم بھی اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکی۔ مگر اِس سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا۔ کہ یہ تمام تنزل گریہ کا خمیازہ ہے کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو اس قوم نے گذشتہ دور مین کبھی ترقی نہ کی ہوتی۔

بہرحال تاریخ کی اس شہادت سے کہ شیعہ قوم نے کبھی میدان ترقی مین شاندار اِمتیاز حاصل کیا تھا اور مدنیت وحضارت کے نقطۂ عروج تک پہونچانے مین پورا حصّہ لیا تھا یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سُقراط کا یہ خیال کہ گریہ پرست قوم ترقی نہین

کر سکتی واقعیت سے کوئی تعلق نہین رکھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ گریہ اور جُبن مین کوئی لزوم نہین ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جُبن کی وجہ سے بھی گریہ پیدا ہو لیکن اس کا یہ نتیجہ نہین قرار پاتا کہ گریہ باعث جُبن قرار پا جائے اگر کسی کی تکلیف دیکھ کر ہماری آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئین تو یہ آنسو جُبن کے معلول نہین قرار پاسکتے یہ آنسو ہمدردی کے آنسو ہین۔ اِن آنسوؤن اور جُبن کے آنسوؤن مین سچّے اور جھُوٹے موتیونکا فرق ہے۔

بُکا کو بالدوام امارت جُبن بھی نہین بنایا جا سکتا کیونکہ بُکا کے کئی اسباب فرض کیے جا سکتے ہین اسلیے جبتک کوئی خاص قرینہ نہو وجود مسبب کسی خاص سبب کے وجود پر استدلال نہین کیا جا سکتا۔

اور یہ کہنا کہ استمرار علی البکا ضعف قلب پیدا کرتا ہے اور ضعف قلب جُبن کا باعث ہو جاتا ہے اس موقع پر صحیح نہین ہے کیونکہ بُکائے مبحوث عنہ رنج والم کی حالت مین پیدا ہوتا ہے اس لیے ایسی حالت مین گریہ کا واقع ہونا جیسا پیشتر عرض کیا جا چکا ہے طبًّا مفید ہے کیونکہ اُسکی عدم وقوع کی صورت مین طرح طرح کی قلب کی بیماریونکا خدشہ ہے۔

سُقراط کا دوسرا خیال کہ بزرگان دین کی مصیبتون پر خواہ وہ کتنی ہی جان گُسل و صبر شکن کیون نہون ہمکو گریہ نہ کرنا چاہیے۔ گو بظاہر کتنا ہی خوبصورت و دلفریب معلوم ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ فطرت انسانی سے وہ ایک ایسے امر کا مطالبہ کر رہا ہے جو سرتاسر ناقابل عمل اور اگر بالفرض قابل عمل بھی مان لیا جائے تو اعضائے آرائش اِنسانیت کو اُن تمام زیورون سے علٰحدہ کرنے والا ہے جو اخلاقی نقطۂ نظر سے اس کی خوبصورتی کا سرمایہ ہین۔

سُقراط کہتا ہے .. بزرگان دین کی مصیبتون پہ گریہ نہ کرو کیونکہ گریہ کرنا خود بنفسہ باعث و علامت جُبن ہے۔ علاوہ برین اِن روحانیت کے پیکرون نے اِن تمام مصائب کو

ہنستے ہوئے چہرونسے برداشت کیا ہے۔ اِن جانفرسا آفتون کے تنزل کے وقت اِن کی پیشانیون پر حزن وبیصبری کی ایک شکن تک نہ تھی۔ ایسی صورت مین ہمارا گریہ کرنا بیمحل ہے کیونکہ گریہ اگر جائز بھی مان لیا جائے تو بھی اُسی صورت مین ہوسکتا ہے جبکہ کسی پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہو۔ اور یہان یہ صورت نہین ہے کیونکہ وہ مصائب بزرگان دین کے نزدیک مصائب ہی نہ تھے۔

اِس استدلال مین نہی کی دو علتین بیان کی گئی ہین پہلی تو وہی گریہ کا باعث وعلامتِ جُبن ہونا۔ اسکو مین ابھی ثابت کرچکا ہون کہ نفس گریہ بالدوام باعث وعلامتِ جُبن نہین ہے۔ دوسری علّت (کہ ان مصیبتون پر ہمارا گریہ کرنا بیمحل ہے اس لیے کہ وہ مصیبتین انکے نزدیک درحقیقت مصیبتین نہ تھین) زیادہ تشریح طلب ہے۔

اِس دوسری علّت پر نظرِ انتقاد ڈالتے وقت ہمین انُ دو باتون پر غور کرنا چاہیے۔ اوّلاً تو یہ کہ مصیبت کیا چیز ہے۔ ثانیاً اگر کوئی شخص ہماری بہبودی کیلیے تکالیف و شدائد کے آتشین طوفان مین در آئے تو انسانی ہمدردی ہمسے کس امر کی خواستگار ہوگی مُصیبت کا اطلاق ان تمام اُمور پر ہوگا جو انسان کو جسمانی یا روحانی کسی حیثیت سے اذیت پہونچائین۔ بزرگان دین یا دیوتا جب تک انسانی بدن رکھتے ہین اذیت پہونچانیوالے اُمور اُن کو بھی ویسا ہی درد والم پہونچائینگے جیسا کہ ہمکو پہونچاتے ہین۔ یہ نہین ہوسکتا کہ ہمارا بدن آرہ سے دونیم کیا جائے تو ہمکو درد والم محسوس ہو اور اگر اُن کا بدن آرہ سے دو ٹکڑے کیا جائے تو انکو بجائے درد والم کے لذت وراحت محسوس ہو۔ یہ دوسرا امر ہے کہ وہ اِن مصیبتون کو نہایت کشادہ پیشانی کیساتھ برداشت کرتے ہین اور ہم اِس حالت مین تسلیم ورضا کے دائرہ سے باہر ہوجاتے ہین اور یہی انکی عظمت وبزرگی کا اصلی راز ہے۔

یہ ہماری سخت غلطی ہوگی اگر ہم انکی قوت برداشت وتحمل کی وجہ سے یہ حکم لگادین

کہ وہ مصیبتین درحقیقت مصیبتین نہ تھین۔

اس امر کے سمجھ لینے کے بعد کہ وہ مصیبتین ہمارے اور اُنکے لیے یکسان تکلیف دہ ہین ہمین اس دوسرے امر پر غور کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص محض ہمارے لیے اپنے نفس کو مختلف اذیتون کا مورد بنالے تو ہمارا کیا فرض ہوگا۔ یہ کہدینا کہ چونکہ انھون نے یہ تکالیف بخوشی برداشت کی ہین اس لیے ہمین ان پر کسی قسم کا افسوس نہ کرنا چاہیے کیا ہماری فسادت قلبی کی نقاب کشائی نکریگا۔ مجھے تو صاف نظر آرہا ہے کہ اس خیال کا دلمین پیدا ہونا روحانیت کی دشمنی پر کمربستہ ہوجانا ہے۔

یہ ہماری کتنی بڑی خود غرضی ہوگی اگر ہم ایک خلاف فطرت اصول قائم کرکے ایسے شریف النفس لوگون کے تذکرے جنھون نے اپنی جان تک ہمپر قربان کردی صفحۂ دنیا سے مٹانیکی کوشش کرین۔

جبکہ اظہار حزن والم مین کوئی عقلی قباحت نہین بلکہ برخلاف اسکے وہ مظلوم سے اظہار ہمدردی کرنے کا بہترین ذریعہ شریر قوتون کے برخلاف پُرزور احتجاج کا مؤثر ترین طریقہ۔ تو پھر اسکی ممانعت کرنا نادانی کی بدترین تاسّف انگیز مثال ہے۔

مشرق مین اس قسم کے اخلاق سوز اصول کا رواج پانا (مین نہین سمجھ سکتا) اس کے اس دعوی کے کیونکر مطابق ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیشہ اخلاق وروحانیت کا گھوارہ رہا ہے ان اصول کی تو صرف اس سرزمین مین نشو ونما ہونی چاہیے تھی جس کے کسی حصہ سے کبھی کوئی ایسی قوم نہین ابھری جس نے اپنی سیاست وطریق معاشرت مین اخلاق کو کوئی نمایان حیثیت دی ہو۔

سقراط کے زبان وقلم سے اس قسم کے خیالات کا ادا ہونا میرے لیے چندان قابل تعجب نہین ہے۔ البتہ یہ محسوس کرنا کہ ایشیا کے بعض واجب الاحترام وجود بھی اس قسم کی بیگانۂ روحانیت فلسفہ طرازیان اپنے دماغ کا مایۂ ناز کارنامہ سمجھ چکے ہین) میری آنکھون کو

بحیثیت ایک مشرقی ہونے کے دُنیا کے سامنے جھُکا دیتا ہے۔ فی الحقیقت کسی فرد کے لیے کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ شرمناک امر اور نہین ہو سکتا کہ اُس کے قول و فعل مین تطابق کُلّیتہً مفقود ہو۔

یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ گریہ رقت قلبی پیدا کرتا ہے مگر محض اس خیال کی بُنیاد پر مذمومیتِ گریہ کی عمارت تیار نہین کیجا سکتی۔

رقت قلبی و ضعف قلب مین بڑا فرق ہے۔ جنسی و نوعی ہمدردی کا وصف جن لوگون مین پایا جاتا ہے وہ رقیق القلب ضرور ہوتے ہین۔ یون کہنے کو کہدیا جائے کہ رقت قلبی شجاعت کے منافی ہے مگر یہ دعوےٰ علماے اخلاق سے کبھی سند تائید حاصل نہین کر سکتا۔

علم اخلاق مین جہان فضائل چہارگانہ کا ذکر کیا گیا ہے وہان صاف صاف یہ بتلا دیا گیا ہے کہ شجاعت ایک وسطی شئے ہے۔ اُسکے حد تفریط مین جُبن ہے حد افراط مین تہور اور یہ دونون حدین مذموم ہین۔ جو لوگ رقت قلبی کو منافی شجاعت قرار دے رہے ہین وہ شجاعت سے تہور مراد لے رہے ہین۔ حالانکہ وہ اشخاص جنکے قلوب مین رقت و رحم موجود نہین ہے ہرگز شجاع نہین کہے جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ان پر متہور کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور یہ کوئی قابل مدح صفت نہین ہے۔ یون تو شیر مین تہور سبعی پورے طور سے موجود ہے مگر محض اس بنا پر اسکو شجاع نہین کہا جا سکتا کیونکہ اسکی یہ دلیری کسی عقلی فیصلہ کا نتیجہ نہین ہے اور نہ اسکے دلمین رحم ہے۔

شجاع وہی ہو سکتا ہے جسکا دل رحم و عطوفت کی بیش بہا دولت سے مالامال ہو ایسے لوگونکو شجاع کہنا جنکا دل دوسرونکی مصائب پر متاثر نہین ہوتا ایک بڑی علمی غلطی ہے ایسے لوگون کے لیے درندہ کا لفظ استعمال کرنا زیادہ موزون ہے۔ کوئی شک نہین کہ انکا وجود روحانیت کیلیے خطرناک ہے۔ مادی طاقتین ایسے لوگونکا لشکر تیار کرینگے

اپنے اغراض پورے کرے سکتی ہین لیکن انسانیت کے اعلی مقاصد کی تکمیل کو اُن کے عمل کے گوشہ مین تلاش کرنا حماقت ہے۔

مین چنگیز خان، ہلاکو اور انکے مثل ان تمام دوسرے بادشاہونکو جنکا مشغلۂ حیات صرف یہ تھا کہ وہ انسانی سرون سے لڑائی کے میدان مین کھیلین شجاع کہنا اپنی دماغی و اخلاقی توہین سمجھتا ہون۔

شجاعت سے ان لوگون کو وہی نسبت ہے جو فربہی سے آماس کو۔

مین اپنے ان دوستون کو جو مفہوم شجاعت کے متعلق اس قسم کی غلط فہمیونکی تاریکی مین گرفتار ہین مشورہ دونگا کہ وہ اُن افراد کی سیر تین پڑھین جنکی شجاعت مسلم ہو چکی ہے انکے واقعات زندگی پڑھکر یہ امر بخوبی منکشف ہو جائیگا کہ ماہیت شجاعت مین رحم و عطوفت آیا داخل ہین یا نہین۔

پیغمبر ونسے بڑھکر شجاع کون ہو سکتا ہے کیونکہ فرائض ہدایت کا۔ گمراہ دُنیا کی خوفناک مخالفتونکے درمیان مین انجام دینا بڑی ہمّت و دلیری کو چاہتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس غیر معمولی شجاعت کے باوجود جب وہ کسی کو مُصیبت مین مُبتلا دیکھتے تو بے اختیار انکی آنکھونسے آنسو بہنے لگتے۔ دل قابو مین نرہتا۔

حسب بیان اہل تاریخ جناب رسالتمآبؐ کے اعلے اخلاق کا رقیق القلبی ایک مُمتاز پہلو ہے لیکن دُنیا نے برابر دیکھا ہے کہ اگر کبھی آپ کو اتفاقاتِ زمانہ سے مجبور ہو کر حفظ نفس و مذہب کیلیے کسی جنگ پر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ نے ثبات قدمی و شجاعت کے وہ اعلیٰ کمالات دکھلائے ہین جنکو پڑھکر ابتک رگو نمین دلیری کا خون پوری قوّت کے ساتھ متحرک ہو جاتا ہے اگر واقعی رقیق القلبی اور شجاعت مین نسبتِ تضاد ہوتی تو کبھی ایک قلب مین دونون مجتمع نہ ہو سکتے۔

دُنیاے شجاعت مین جناب علی ابن ابی طالبؑ کا نام ہمیشہ مشہور رہیگا آپ سے مُختلف

جنگوںمین جو دلیری و ہمّت کے حیرت انگیز واقعات وجود مین آئے ہین ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ شجاعت کے کس مرتبہ پر فائز تھے۔ لیکن آپ اس شجاعت کے باوجود جسقدر رقیق القلب تھے وہ کسی پر مخفی نہین۔ آپکا قلب دوسرون کی مصیبت دیکھکر جسقدر اثر پذیر ہوتا تھا وہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنیوالون سے پوشیدہ نہین ہے مین مختلف مذاہب مختلف اقوام کے تذکرون سے ان واقعات کو درج کرتا جو شجاع و فراد کی رقت قلبی کے شاہد ہو سکتے۔ لیکن چونکہ میرے مُخاطب اس وقت مسلمان ہین اس لیئے اسکی کوئی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔

بہر حال اس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ شجاعت کیلیے رقت قلبی ایک ضروری عنصر ہے اور اگر کسی شخص مین یہ وصف نہین پایا جاتا تو وہ ہرگز اسکا استحقاق نہین رکھتا کہ اسکو شجاع کا شریف لقب دیا جائے وہ تو درحقیقت ایک درندہ ہے جس نے انسانی لباس پہن لیا ہے۔

مین فلسفۂ اخلاق کے اس قطعی اُصول کی روشنی مین اس استدلال کو رد کہ جناب امام حسینؑ پر گریہ باعث رقت قلبی ہے اور اسلیے باعث جُبن و بزدلی ہے) دکھیکر اس نتیجہ پر پہونچا ہون کہ محض اس بنا پر گریہ کیلیے امتناعی حکم کا نافذ کر دینا رو حانیت کے خلاف آمادہ بغاوت ہو جانا ہے۔

مین تو یہ کہونگا کہ اگر گریہ رقت قلبی پیدا کرتا ہے تو واقعات کربلا کے تذکرون کے سلسلہ مین اسکا قائم رکھنا بیحد ضروری ہے۔ کیونکہ جب ہم واقعات کربلا کا تذکرہ کرینگے اور ہماری سماعت مین شجاعت کے وہ اعلیٰ اور انتہائی نمونے آئینگے جنکا ظہور بہتر۷۲ شہدا کے مُقدس ہاتھون پر ہوا ہے تو بہت ممکن ہے کہ بہت سی نوجوان پر جوش طبیعتین شجاعت کی حدین تہور تک پھیلا دین اور اس طرح ایک رذیلت مین مبتلا ہو جائین اس لیے انکے تحفظ کے لیے رقت قلبی کا پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ اس طرح فضیلت شجاعت رذیلت

تہور مین مستہلک ہونے سے محفوظ رہیگی۔ بہت ممکن ہے ائمہ علیہم السلام سے بکا کی اہمیت مین جو احادیث و روایات وارد ہوئی ہین انمین یہی مصلحت اخلاقی مضمر ہو۔

مجھکو تعجب ہے کہ مخالفین کے دلون مین کربلا جیسے شان امتیازی رکھنے والے واقعات کے متعلق یہ خیال کیونکر پیدا ہوا کہ انپر گریہ کرنا جبن پیدا کرسکتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ان واقعات کو سنکر رگون مین شجاعت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ دلیری کی حرارت قلب مین محسوس ہونے لگتی ہے۔

غور کرو۔ ان شہدا کا تذکرہ یا انکے مصائب پر نالہ و شیون کرنا جن مین کا بچہ بچہ جذبہ شجاعت سے معمور ہو کیونکر باعث جبن ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ کبھی دل سے فراموش نہین ہو سکتا۔ شہادت کی رات ہے جناب سید الشہدا نے اپنے تمام اعزا و احباب کو مجتمع فرمایا ہے۔ آنے والی صبح کے ساتھ جن مصائب کا آغاز ہونے والا ہے انکے متعلق طرح طرح کی پر کیف گفتگوئین ہو رہی ہین۔ مسئلہ شہادت ایک خاص شان کے ساتھ اس مقدس و دلیر بزم کے ہر فرد کا موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ یون تو ہر شہید ہونے والے نے وہ جوابات دیے ہین جو اپنے اندر شجاعت و دلیری کی ایک دنیا چھپائے ہوئے ہین لیکن میرے خیال مین حضرت قاسم بن امام حسنؑ کا سن مبارک دیکھتے ہوئے آپ کے دہن اقدس سے جو پر جوش فقرہ ادا ہوا ہے وہ ایک خاص کیفیت رکھتا ہے۔ آپ نے ایک چھوٹے سے جملہ مین مفہوم شجاعت کی وہ اعلی تشریح فرمائی ہے جس سے بڑھکر تقریبا ناممکن ہے۔

جناب امام حسینؑ اپنے خرد سال بھتیجے حضرت قاسمؑ سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہین۔ " بیٹا تم موت کو کیسا سمجھتے ہو۔ اس سوال پر جناب قاسمؑ کا دلیر دل جوش مین آجاتا ہے اور آپ شجاعت کے نشہ مین بیخود ہو کر فرماتے ہین " احلی من العسل " موت شہد سے زیادہ شیرین ہے "

حادثۂ کربلا ابتدا سے لیکر آخر تک اُنھین شجاعت آفرین واقعات کا مجموعہ ہے
درحقیقت نگاہ انسانی نے ابتدائے آفرینش سے تا ایندم اس قسم کے سچے شجاعت پرور
مناظر نہین دیکھے۔ اِس سے زیادہ ایثار و قربانی کی واضح شریف مثال کسی قوم نے
پیش نہین کی۔

یہ واقعہ ہماری آنکھون کے سامنے انسانی خودداری کے تمام رُموز و اسرار کو
بے نقاب کرکے پیش کردیتا ہے۔

اگر ایسی داستان روحانی کے ابواب غم سُنکر ہمارے قلوب پر رنج و الم کے بادل
چھا جائین ہماری آنکھین پُرنم ہوجائین۔ ہاتھ بیخودی کے عالم مین سینہ کی طرف ماتم کیلیے
بڑھ جائین لبون پر آہ آتشبار کا عمل ہوجائے تو یہ ہمارے جُبن کا ہرگز ثبوت نہین ہوسکتا
یہ درحقیقت ثبوت ہوگا ہماری اس رقت قلبی کا جو ایک شجاع کے لیے ضروری ہے۔
یہ ثبوت ہوگا ہمارے جذبۂ رحم کا جو ایک خاص وصف تھا اور جسکے پیدا کرنیکی جانب جناب
باری عزوجل کو اسقدر انہماک تھا کہ اُسنے انبیاء کیلیے بکریونکا چرانا انکی عمر کی ابتدائی منزلون
مین ایک حد تک لازمی قرار دے دیا تھا۔ ہمارا یہ گریہ باری تعالیٰ کے امر قرآنی فلیضحکوا
قلیلا ولیبکوا کثیرا کی تعمیل اور اِسلیے مستحق تعریف و توصیف ہوگا۔

دُنیا سے شجاعت کے ایسے بہترین مجسمونکا جدا ہوجانا اور پھر ایسے لوگونکے ہاتھ سے جو
اپنے آپ کو مسلمانون مین شمار کرتے ہون۔ ایسا واقعہ نہین ہے جو ہمارے لیے باعث حزن و
ملال و باسبب گریہ و زاری نہو اسلیے کوئی حق نہین رکھتا کہ تذکرۂ حسین پر گریہ کو قابل
مذمت قرار دے۔

اِس مبحث کے آخر مین ایک امر اپنے اُن بھائیونکی خدمت مین بھی عرض کرنے کی
جرأت کرونگا جو مسئلۂ گریہ مین افراط کا پہلو دبائے ہوئے ہین۔
یقیناً گریہ کوئی بُری شئے نہین ہے۔ نہ اِسکے وقوع پر ہمین کوئی ملامت کرنیکا حق

رکھتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ گریہ کو اُن تذکرونگا منشائے اولین نہ سمجھ لینا چاہیے۔

مجھکو یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ جماعت شیعہ کے بعض افراد اسکا کو ان اذکار کا اصلی و واحد مقصد سمجھ رہے ہین اُنکا خیال ہے کہ اگر مجلسون مین ہمنے چند آنسو بہا لیے تو ہم اپنے فرض سے ادا ہوگئے۔ حالانکہ اس شہادت کا صرف یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ ہم صرف ان مصائب کو سُنکر آنسو بہالین اور بس۔

اس قسم کے خیالات شہادت کی روحانیت بڑی حد تک کم کرنے والے ہین۔ غور تو کرو جناب امام حسینؑ کا اتنی بڑی قربانیان صرف اس امر کیلیے کرنا کہ ہمکو رونیکا موقع ملجائے کیا عقلاً فعل عبث نہوگا۔

اس شہادت کا اصلی و بالذات مقصد یہ ہے کہ ہم اخلاقیات کے متعلق اُس سے سبق حاصل کرین۔ جن پاکیزہ اصول کی حفاظت کی خاطر جناب امام حسینؑ نے اتنی بڑی عظیم الشان قربانی کی ہے اُنکے تحفظ کی ہم پوری سرگرمی کے ساتھ کوشش کرین۔ حتی الامکان اپنے قلوب مین اس ولولہ صادق و جوش مستحسن کے پیدا کرنے کی کوشش کرین۔ جسکے مکمل مناظر کربلا کے میدان مین انسانی آنکھون نے دیکھے۔ البتہ چونکہ اس اعلیٰ مقصد کے حصول کیلیے آپ کو جو طریقے اختیار کرنے پڑے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی دلخراش مصیبتوں سے لبریز تھے اسلیے انسانی فطرت کے شریفانہ اُصول ملحوظ رکھتے ہوئے گریہ کو ان اذکار کے منشا مین ضمنی حیثیت دینا ضروری ہے۔

مجلسون مین آپ روئیے اور شوق سے روئیے مین اس سے منع کرنے کی جُرأت نہین کرسکتا۔

میری التماس صرف اس قدر ہے کہ یہ رونا شہادت کے اصلی اغراض کو آپکی بصیرت کی آنکھوں سے روپوش نہ کرے۔

گریہ کو آپ ان اذکار کا ضمنی منشا سمجھین اصلی نصب العین یہ ہے کہ آپ اپنے واجب الاحترام

معصوم پیشواؤں کے حالات سنکر اُنکے طرز زندگی کے واقعات پر مطلع ہوکر اپنی اخلاقی و مذہبی اصلاح کی سعی خالص کرین اور اس طرح ان مواقع کو جو خوش قسمتی سے آپ کو اپنے انسان بنانے کے حاصل ہو گئے ہین بیکار نہ جانے دین۔

یہ نہایت نازک مقام ہے اس جگہ دُنیا کی بڑی بڑی قومین لغزش سے محفوظ نہ رہ سکی ہین یہان ذرا سی غفلت ہوئی کہ انسان کی قوت عمل سطحیت کی وسیع جال مین اُلجھی۔ اگر کسی خاص عمل کا کوئی اصلی مقصد ہے تو وہ کبھی نظرون سے ہٹنا نہ چاہیے کیونکہ سطح پرستی کی حد اسی غفلت سے متصل ہے۔ جہان کسی عمل کے اصلی مقاصد نظرون سے اوجھل ہوئے اور ضمنی مقاصد اپنے جائز حق سے زیادہ اہمیت حاصل کرنے لگے وہین فوراً فطرت نہایت تیزی کے ساتھ اس کی قومیت و مذہبیت مٹانے کی تدبیرون مین مشغول ہو گئی۔

اسی روشنی مین اب ذرا آپ اپنی مجالس پر نظر فرمائین۔ بُکا بُری شئے نہین اپنے مقام پر نہایت ممدوح شئے ہے لیکن چونکہ واقعۂ شہادت کے ضمن مین آپ نے اُسے اعتدال سے زیادہ اہمیت دیدی اور صرف اُسی کو ان اذکار روحانیہ کا اصلی منشاد غلطی سے قرار دے لیا اس کا ایک خراب نتیجہ یہ ہوا کہ مجالس کی زیادہ تعداد مین وہ شان نظر نہین آتی جسکو ایک روحانیت پرست کی نگاہین دیکھنا چاہتی ہین۔

اگر کسی مجلس مین بُکا نہو گو اور دوسری مفید باتین بیان ہوجائین آپکی زبان پر بے ساختہ یہ فقرہ آئیگا دو مال مجلس حاصل نہوا۔ آپ کے اس رجحان طبع سے حضراتِ ذاکرین کی بڑی تعداد متاثر ہوئی۔ انھون نے صرف بُکا کے لیے ان تاریخی حقائق مین اختراعی افسانے شامل کیے۔ مجالس کے ممبرون پر بعض وہ حرکتین نظر آنے لگین جنھین وہان نہونا چاہیے (حضراتِ ذاکرین تھوڑی دیر کے لیے میری بظاہر اس تلخ کلامی کو معاف فرمائین) اُن مین چونکہ اخلاقی جرأت نہ تھی اس لیے وہ بھی صحیح راستہ چھوڑ کر آپ کے

ساتھ ہو لیے۔ انکا فرض تھا کہ ستائش وغیرہ سے قطع نظر کرتے ہوئے ان مجالس سے وہی کام لیتے جو انسے لیا جانا چاہیے۔

لیکن چونکہ حضرات ذاکرین کی بڑی تعداد اس فن کو تجارتی نقطۂ نظر سے اختیار کیے ہوئے ہے اسلیے بحیثیت ایک تاجر کے انھین آپکے مذاق کا خیال رکھنا ضروری ہے لہذا اس تمام خرابی کی ذمہ داری نتیجہ مین آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ اگر اس معاملہ مین آپ نے اپنا زاویہ نگاہ نہ بدلا تو آپ اس غلطی کے مرتکب ہونگے جسکی بدولت بہت سے قومین اپنی اصلی منزلت سے گرچکی ہین۔ مین پھر کہونگا کہ ان روحانی تذکرون مین آپ اپنے اصلی سطح نظر سے نہ ہٹین۔

باب ہفتم

تذکرۂ حسینی کے مختلف اشکال اور ان پر تبصرہ

جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شیعہ جماعت نے خصوصیت سے محسوس کیا کہ ان واقعات مظلومیت کا تذکرہ اُنکے قومی وجود کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مگر اس ضرورت کا پورا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

قالب سلطنت مین روح استبداد پورے طور سے سرایت کر چکی تھی۔ وہ لوگ جنکو ملکی اقتدار حاصل تھا اہلبیت اور انکی اولاد کے دشمن ہو رہے تھے۔ اور اسپر مستزاد یہ تھا کہ شیعہ جماعت کی افرادی قلت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ مگر اس غیر مناسب ماحول کے باوجود یہ تذکرہ کسی نہ کسی عنوان سے قائم رہا۔ جب چند شیعہ حُسن اتفاق سے یکجا ہوئے ایک چھوٹی سی مجلس عزا منعقد ہو گئی۔ بشیر نے امام زین العابدینؑ کی فرمائش سے ابو عمارہ اور ابو ہارون نے جناب امام جعفر صادقؑ کے حضور مین اور بسا اوقات دعبل نے جناب حضرت

امام رضا علیہ السلام کے حضور مین کبھی خود اور کبھی حضرتؑ کی فرمائش سے ذاکری کے فرائض لسان مرثیہ مین ادا کیے ہین - انکے علاوہ مختلف اوقات مین خود حضرات اہلبیت و ائمہ کرام نے اور مختلف شاعرون نے مختلف اوقات مین مظلوم کربلا شہید نینوا کا مرثیہ کہا -

گو اس مقدس تذکرہ مین دلچسپی لینے والے ہمیشہ نگاہ حکومت مین کھٹکتے رہے اور بسا اوقات انکو اسکی یاداش مین اپنی جان تک قربان کر دینا پڑی مگر اس بزم ماتم کے افراد مین ان شدائد سے کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ یوماً فیوماً اضافہ ہوتا گیا اب تک یہ تذکرے محفوظ مکانون کے تاریک گوشون مین منعقد کیے جاتے تھے لیکن بہت جلد ایک زمانہ آیا کہ ان مجالس کے علانیہ منعقد کرنے مین کسی قسم کا خوف نہ رہا شیعیت نے عرب کے دائرہ سے باہر قدم نکالا - ایران کا چپہ چپہ اُس کی نورانی روشنی سے جگمگا اُٹھا -

واقعات کربلا کا تذکرہ جو ابتک جان جانے کا مرادف تھا ایران مین آزادی سے ہونے لگا - وہان اس تذکرہ نے طرح طرح کی شکلین اختیار کین -

تائید ایزدی کا نورانی تاج سر پہ تھا سلطنت دستگیری کے لیے بڑھی اس کے سایہ مین شیعیت کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا - اس کی شاخین ایران سے پھیل کر ہندوستان پہونچین تذکرہ حسینیؑ چونکہ اس مذہب کا خاص عنصر تھا وہ یہان بھی ساتھ آیا - اور ایران سے زیادہ اسکو یہان ہر دلعزیزی حاصل ہوئی -

غیر مذہب والے نہ صرف ان مجالس مین شریک ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات خود عقیدتاً انکی بنا کرتے تھے اسوقت بھی بکثرت ہندو تعزیہ دار نظر آئینگے -

اس تذکرہ کے دوسرے مذاہب تک وسعت پذیر ہونے نے اس مین بہت سے ایسے اُمور کا اضافہ کر دیا جو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ممدوح نہین قرار پاتے -

چونکہ اس تذکرہ کا اصلی منشاء احیاے روحانیت ہے اس لیے مین اس باب مین اس تذکرہ کی موجودہ نوعیت کی اچھی طرح تحلیل کرکے یہ دیکھونگا کہ آیا اس تذکرہ کے عناصر مین کوئی ایسا جزو تو نہین شامل ہو گیا ہے جو اس کی شان روحانیت کا منافی قرار پائے۔

اس سے پیشتر کہ مین اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرون اسکا عرض کردینا نہایت ضروری ہے کہ اس تذکرہ کی نوعیت جو شکل بھی اختیار کرے جو لباس بھی پہنے اُسکے اندر روحانیت کا رنگ پوری آب و تاب سے جھلکتا رہنا چاہیے۔ اگر خدا نخواستہ یہ جوہر مفقود ہو گیا تو پھر یہ تذکرہ ہمین انسان بننے مین کسی قسم کی مدد نہ دیسکیگا۔
روحانیت و اخلاقیت و مذہبیت اگر نظر غور سے دیکھے جائین تو ایک ہی حقیقت کے مختلف عنوانات تعبیر ہین۔ اس بنا پر مین کہونگا کہ اگر ایسی کوئی چیز بھی اس تذکرہ کا جزو بن گئی جو ہدایت مذہب کے منافی ہے تو اُسکے دوسرے معنی یہ ہونگے کہ وہ تذکرہ شرف روحانیت سے محروم ہو گیا۔
دور حاضر کے ہندوستان مین اس تذکرہ کی دو ہیئتین پائی جاتی ہین۔ ایک کو مجلس عزا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دوسری ہیئت کو تعزیہ داری کے نام سے۔
مجلس کے دو عنصر ہین۔ ذاکری۔ ماتم۔ ذاکری کے متعدد افراد ہین۔ سوزخوانی۔ مرثیہ خوانی۔ حدیث خوانی۔
ماتم کی بھی کئی صورتین ہین۔ ایک تو وہ جو باجے کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے اور دوسرا وہ جو ہاتھ وغیرہ کی وساطت سے ہوتا ہے۔
سوزخوانی۔ اسکا رواج پیشتر بہت زیادہ تھا۔ اس زمانہ مین گو مٹا تو نہین لیکن بہت کم رہ گیا ہے اس کی طرف وہ طبائع زیادہ مائل ہین جنکو موسیقی سے دلچسپی ہے۔ بہت سے سوزخوان اس کے مدعی ہین کہ ان کے ادا کا طریقہ تعریف غنا مین نہین آتا۔

بعض کا یہ دعویٰ یقیناً صحیح ہے۔ لیکن ایک بڑی تعداد سوزخوانون کی ایسی ہے
جو غنا سے احتراز کرنا کوئی ضروری نہین سمجھتی بلکہ برخلاف اسکے وہ کوشش کرتی ہے
کہ اُسکے سوز غنا کے بہترین نمونے قرار پائین۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ گو سوزخوانی
مین مخصوص اُصول موسیقی سے کام لیا جائے۔ لیکن وہ حد غنا مین نہین آسکتا کیونکہ
غنا کا متعین کرنا تمامتر عرف عام پر منحصر ہے۔ اور ہم دیکھتے ہین کہ عرف عام سوزخوانی کو
گو وہ کسی نوع کی ہو غنا نہین کہتا یعنی یہ محاورہ نہین ہے کہ وہ سوز گا رہا ہے بلکہ
یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سوز پڑھ رہا ہے۔

مجھکو افسوس ہے کہ مین اس خیال سے اتفاق نہین کر سکتا۔ یقیناً سوزخوانی کا ایسا طریقہ
جس مین وہ مخصوص اُصول موسیقی جو ترجیع صوت (گٹگری) پر مبنی ہین سمو دیے جائین
شرعاً حرام ہے۔ یہ عذر کہ ہمارے محاورہ مین سوز پڑھنا کہا جاتا ہے سوز گانا نہین
کہا جاتا کسی طرح حرمت کے قطعی حکم کو تبدیل نہین کر سکتا۔ یہ امر کہ سوز گانا نہین کہا جاتا
اس کی وجہ صرف اسقدر ہے کہ چونکہ سوز جناب امام حسینؑ کی طرف منسوب ہے اس لیے
تعظیماً گانے کے لفظ کا اسپر اطلاق نہین کیا جاتا۔ ٹھیک اس طرح جیسے اگر کوئی قرآن مجید
کو گائے تو محض تعظیم کی وجہ سے یہ نہین کہا جائیگا کہ وہ قرآن کو گا رہا ہے بلکہ یہی
کہا جائیگا کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے لیکن محض اس تعظیمی اطلاق کی وجہ سے غنا کی حقیقت
مین تغیر نہ ہوگا۔

کوئی شک نہین کہ شریعت نے غنا کو حرام قرار دیا ہے اسلیے جہان کہین غنا کی
ماہیت پائی جائیگی وہان حرمت کا حکم ضرور عائد ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ ماہیت غنا کی معرفت کے لیے ہمین عرف عام کی طرف بعض خاص حالتون
مین رجوع کرنا ضروری ہے لیکن اسکا منشا یہ نہین ہو سکتا کہ ہم کسی ماہیت کے
طریق امتیاز کو اپنا وسیع الاقتدار فرض کرلین کہ وہ اُس کے لوازم خاصہ مین

کوئی تبدیلی پیدا کر دے۔
جب یہ مان لیا گیا کہ سوزخوانی کے کسی طریقہ مین مخصوص اصول موسیقی سے کام لیا گیا ہے یا دوسرے الفاظ مین یون کہو کہ غنا کی ماہیت متحقق ہو گئی ہے (کیونکہ غنا کی ماہیت اس سے زیادہ فرض نہین کی جا سکتی کہ تادیۂ اصوات مین اُن اُصول موسیقی سے کام لیا جائے جن مین ترجیع صوت موجود ہو) تو کوئی وجہ نہین ہے کہ اُس پر وہ احکام متفرع نہ کیے جائین جو اُس کی ماہیت پر عائد کیے گئے ہین۔
عرف عام کی طرف رجوع کرنا صرف ایک طریقہ ہے غنا کے امتیاز کا۔ جہان اسکی ماہیت مشتبہ ہو وہان اُسکی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن جبکہ یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مخصوص اُصول موسیقی سے کسی ادائے صوت مین کام لیا گیا ہے تو پھر ہمین اُسپر فتوائے حرمت صادر کرنے کے لیے عرف عام کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہین۔ یہ امر ضرور قابل نزاع قرار پا سکتا ہے کہ آیا اس ادائے صوت مین مخصوص اُصول موسیقی سے کام لیا گیا یا نہین۔ لیکن اسکے تسلیم کر لینے کے بعد کہ مخصوص اُصول موسیقی سے کسی سوز مین کام لیا گیا ہے شرعاً اسکے ناجائز قرار دینے مین مزید چون و چرا کی گنجائش نہین رہتی۔
البتہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ غنا کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ عرف عام یہ کہدے کہ یہ غنا ہے تو اس خیال کو قدرے وقعت دیجا سکتی ہے لیکن اسکے تسلیم کر لینے کی کون جرأت کر سکتا ہے کہ غنا کی کوئی ماہیت نہین وہ صرف فرض و اعتبار پر مبنی ہے۔
غنا (مخصوص اُصول موسیقی) یقیناً ایک سائنس ہے اسکے اُصول ہین قواعد ہین وہ ایک منضبط و مدون فن کی صورت مین ہمارے پیش نظر ہے۔
بعض صاحبان یہ بھی فرماتے ہین کہ سوزخوانی سے چونکہ بکا خوب ہوتا ہے اسلیے

کسی شعر کے متعلق حرف مخالفت زبان پر نہ لانا چاہیے مگر مین کہونگا کہ وہ شعر جو غنا کی حد مین داخل ہے اُسکی وساطت سے اگر بکا بھی پیدا ہو تو ہم اسکو جائز نہین کہسکتے کیونکہ حرام چیز کی وساطت سے اگر کوئی مستحسن چیز وجود مین آجائے تو یہ نہین ہو سکتا کہ خود واسطہ (جو حرام مفروض ہے) جائز و مستحسن ہو جائے معصیت کا ارتکاب پہلے ہو چکا بکا سے اُسکی تلافی نہین ہو سکتی۔

اس تمام اُصولی بحث سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی میری ناقص رائے مین اس قسم کی سوز خوانی سے وہ اعلی مقصد حاصل نہین ہوتا جو ہم بنائے مجلس کا فرض کرتے ہین اسلیے ایسی سوز خوانی کے رواج اُٹھا دینے مین کوئی نقصان نہین ہے۔

مرثیہ خوانی و تحت اللفظ۔ اسکا رواج ابھی کافی طور سے ہے۔ گو ایک حد تک یہ بھی مجالس کے اصلی منشاء کو پورا نہین کرتا چونکہ جناب میر انیس صاحب مرحوم وغیرہ کے مرثیونکے ذریعہ سے ذوق ادب لطیف سے لطیف تر بن سکتا ہے۔ انسان کے شریفانہ جذبات کو نہایت کامیابی کے ساتھ اُبھارا جا سکتا ہے اور پھر اُنکے پڑھنے کا جو طریقہ مروج ہے اُس کو غنا سے کوئی تعلق نہین اس لیے اس کا ایک معتدل حد تک جاری رکھنا بُرا نہین ہے البتہ اُن مرثیون سے احتراز کی سخت ضرورت ہے جنمین غلط روایات نظم ہو گئی ہین۔

وہ مرثیے جنمین نہایت ہی لطیف و مؤثر پیرایہ مین غم والم کے اُن فطری جذبات کو ظاہر کیا گیا ہے جو جناب امام حسینؑ جیسی شخصیت رکھنے والی ہستی کی دائمی مفارقت کی حالت مین انسانی قلوب پر طاری ہو سکتے ہین مجالس کے لیے شاید زیادہ موزون ہون۔

مرثیونکے جن بندون مین مناظر قدرت کی تصویر خاص کیف انداز مین کھینچی گئی ہے اُنکا پڑھنا بھی مختلف نقاط نظر سے مفید قرار پا سکتا ہے۔

حدیث خوانی - اس کا رواج ملک کی ذہنی و دماغی ترقی کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ایک چیز ہے جو ہمین اُن اغراض کے حاصل کرنے مین مدد دے سکتی ہے جو جناب امام حسینؑ کے شہادت کے عظیم الشان واقعہ کے لیے فرض کیے جاسکتے ہین -

حدیث خوانی کے اسوقت دو طرزہین - طرز جدید و طرز قدیم -

طرز قدیم ہمارے اغراض کے لیے زیادہ مفید نہین - وہ طرز لب تشنگان دلائل کو سیراب نہین کرسکتا - طرز جدید البتہ ہمارے مقاصد کیلیے پورے طور سے مفید ہے -

اسکے ذریعہ سے سامعین کو اخلاقی نکات علمی مسائل روحانی اسرار اچھے طریقہ سے سمجھائے جاسکتے ہین اُنکی مادی خرابیونکی اصلاح پورے طور سے کیجا سکتی ہے -

طرز قدیم اختیار کرنے کےلیے کسی ممتاز قابلیت کی ضرورت نہین ہے - اُردو مین مصائب کی بہت سی کتابین موجود ہین - ان مین سے کچھ مجلسین یاد کرکے مجمع مین ایک خاص لہجہ کے ساتھ اُنکا اعادہ کردینا کافی ہے - گو اس طرح بکا اچھی طرح ہوجاتا ہے لیکن ہم تو یہ نہین چاہتے کہ اسکا منشا صرف بکا ہی قرار دے لیا جائے - انکا منشا اولین تو تکمیل انسانیت و تہذیب اخلاق ہونا چاہیے -

طرز جدید کا اختیار کرنا البتہ خاص قابلیتون کو چاہتا ہے - اُسکو کامیابی کیساتھ وہ لوگ اختیار کرسکتے ہین جو ملکہ تقریر کیساتھ اعلیٰ دماغی قابلیت رکھتے ہین -

جو لوگ دماغی حیثیت سے کوئی امتیازی درجہ نہین رکھتے وہ گو طرز جدید اختیار کرنے کی کوشش کرین مگر ہمارے مقصد کیلیے مفید نہین ہوسکتے -

مدرسۃ الواعظین اس امر پر قابل مبارکباد ہے کہ وہ اس کوشش مین منہمک ہے کہ اس طرز جدید کے اختیار کرنے والے فاضل مقرر صحیح معنونمین شیعی دنیا کیلیے پیدا کرے خدا اُسکی ان کوششونکو بارآور کرے اور اُسے کامیابی ہو -

اِس موقع پر پہونچکر مین اپنے اس مرحوم واجب الاحترام بزرگ (جناب مولانا سید محمد رضا صاحب اعلی اللہ مقامہ کو یاد کیے بغیر نہین رہ سکتا جسنے اپنی اعلیٰ قابلیت سے فن ذاکری مین چار چاند لگا دیے تھے۔ اگر مرحوم کی حیات کچھ دنون اور وفا کرتی تو یقیناً فکر یکا یہ طرز جدید انکی سرپرستی مین نئے برگ و بار لاتا۔ مرحوم نے اس فن کو برہانیات و قطعیات کی معقول آمیزش سے نہایت ہی اعلیٰ وارفع سطح پر پہونچا دیا تھا۔

ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے وہ افراد جنھین جناب باری عز و جل نے ملکۂ تقریر کیساتھ خاص ذہنی قابلیتین عطا فرمائی ہین وہ اس طرز کے اختیار کرنے کی پوری کوشش کرین صرف اسی طرز سے شہادت کا اصلی مقصد خاطر خواہ حاصل ہو سکتا ہے۔

میری نظر مین اسوقت اور بھی بعض ایسی خاموش ہستیان ہین جنھون نے اپنی خداداد ذہانت و روانی تقریر سے اسکا حق حاصل کر لیا ہے کہ وہ اس طرز جدید کو نہایت کامیابی کیساتھ اختیار کرین مگر بڑی دشواری یہ ہے کہ اُنکی فطرت گمنامی خلوت کے گوشۂ تاریک مین اپنی راحت و آزادی کا زیادہ سرمایہ پاتی ہے۔ شہرت و نمود کے عام منظر پر جلوہ آرا ہونے سے جھجھکتی ہے۔ کاش اُنکو کوئی یہ احساس کرا سکتا کہ اُنکی یہ خاموشی ایک بڑا قومی جرم ہے اُنکی دماغی قابلیتون کے فیوض صرف ایک مختصر دائرہ کے اندر محدود نرہنے چاہئین۔

ماتم۔ اِسکا وہ طریقہ جو باجے کی وساطت سے ہے بالکل غیر مناسب ہے شریعت سے اُس کے جواز کی سند کسی طرح نہین مل سکتی۔ اسکا رواج ہر مقام پر کافی طور سے ہے عوام مین اُس کو اتنی ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی ہے کہ اگر اسکے خلاف مخالفت کی کوئی آواز بلند کی جائے تو وہ اُس کو عزاداری کے خلاف قابل گردن زدنی بغاوت سمجھتے ہین۔ مگر شرعی نقطۂ نظر سے اس رسم کا مٹ جانا ہی اچھا ہے۔ یقیناً ہمین اپنی عزاداری اُن تمام مراسم سے پاک کر لینی چاہیے جو شرعاً حرمت کے دائرہ مین ہین۔ اس قسم کے ناجائز مراسم کے بقا کی کوشش کرنا تذکرہ امام حسینؑ جیسے مقدس فریضہ کی پاکیزگی پر حملہ کرنا ہے۔

دوسرا طریقہ جو ہاتھ کی وساطت سے ہوتا ہے اگر اپنی اعتدالی شان پر قائم رہے تو کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ایک فطری شریف جذبہ کی ترقی یافتہ صورت ہے جب کسی دل پر رنج والم کا دفور ہوتا ہے تو عالم بے اختیاری مین ہاتھ سینہ کی طرف اُٹھ جاتا ہے۔ چونکہ یہ کسی ایسے امر پر مشتمل نہین ہے جو بنفسہ شرعی حیثیت سے قابل اعتراض ہو اسلئے ایک فطری حد تک اسکے جاری رہنے مین کوئی مضائقہ نہین۔ عورتوں کا بلند آواز سے نوحوں کا پڑھنا البتہ اشکال سے خالی نہین ۔

تعزیہ داری وعلمداری اسکا رواج تقریباً ہر جگہ ہے۔ مختلف مقامات پر اسکی مختلف شکلین ہین۔ زیادہ تر روضہ کی شبیہ بنائی جاتی ہے۔ اسکے لیے بعض بعض مقامات پر خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ پورا سال کا سال اسی کے بنانے مین صرف ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات اُسکی بے انتہا مخالفت کرتے ہین تعزیہ داری وعلمداری انکی نظر و مین حد سے زیادہ قبیح ہے۔ بعض تو اسکی مخالفت کرتے وقت حد جنون تک پہونچ جاتے ہین ۔

یہ ضروری ہے کہ تعزیہ داری کے پردہ مین بعض ایسے اُمور رواج پا گئے ہین جنکی اصلاح کی ضرورت ہے یہ صحیح ہے کہ بعض مقامات پر تعزیے ایسی شکلون کے بنائے جاتے ہین جنکو کبھی جائز قرار نہین دیا جا سکتا۔ یہ مین مانتا ہون کہ بعض جہال عوام طرح طرح کی بیہودہ عقیدتین اسکے متعلق رکھتے ہین۔ لیکن ان تمام باتون کے مانتے ہوئے مین یہ کسی طرح نہین کہہ سکتا کہ نفس تعزیہ داری ہی مٹا دی جائے ۔

البتہ ہمارے لیے عقل صرف اتنا حق تجویز کرتی ہے کہ ہم ان غیر شرعی رسوم کی اختلاط سے تعزیہ داری کو پاک کرنے کی کوشش کرین۔ نفس تعزیہ داری مین یقیناً کوئی قباحت نہین ۔

فقہی رو سے صرف اُن چیزون کی شبیہہ بنانا جائز ہے جو ذی روح نہین۔ تعزیے صرف

روضہ کی نقل ہین۔ اگر حکم امتناع۔ مطلق رکھا جایگا تو پھر تعمیر مساجد کے جواز کی کیا صورت نکل سکیگی۔ کیونکہ ان دونون مین کوئی معقول فرق نہین پیدا کیا جا سکتا۔ ہم تعزیے صرف یادگار کے طور پر بناتے ہین اِن سے ہمارا کوئی دوسرا منشاء تعزیہ کی پرستش وغیرہ کے قبیل سے نہین ہوتا

یہ اُصول کبھی قابلِ تسلیم نہین ہو سکتا کہ اگر کسی اچھی چیز مین بعض بدعنوانیون سے ایسے ناجائز اُمور داخل ہو جائین جنکا دور کرنا ہماری دسترس مین ہے تو ہم یہ کوشش کرین کہ اُس چیز کا بیخ و بُن سے استیصال ہو جائے۔

پری اور بُراق وغیرہ کی شکل مین جو تعزیے بنائے جاتے ہین وہ ضرور قابلِ قدح ہین لیکن نفس تعزیہ داری و علمداری کی مخالفت مین ہر سال طوفان اُٹھانا حیرت انگیز امر ہے۔

جو باتین ناجائز ہین اُن کو کوئی جائز نہین بنا سکتا۔ البتہ التماس صرف اس قدر ہے کہ ناجائز اُمور کی مخالفت جن الفاظ مین ترتیب دیجائے وہ غلط مذہبیت کے مجنونانہ جوش کا نتیجہ نہو۔ صرف یہ کہدینا کہ تعزیہ بنانا بدعت ہے علم نکالنا بدعت ہے کافی نہین کیونکہ اس موقع پر لفظ بدعت جرحی سوالات کا متحمل نہین ہو سکتا۔

مین دعوے سے کہتا ہون کہ مخالفین کو ایسی کوئی دلیل نہین مل سکتی جو تعزیہ داری کو بدعت ممنوع کے تحت مین داخل کر سکے ورنہ یون تو بہت سے ایسے اُمور اس زمانہ مین رواج پائے ہوئے ہین جو عہد رسالت مین نہ تھے مگر اس بناپر انکو ممنوع نہین قرار دیا جا سکتا۔

ایسی چیزون کا بنانا اور رواج دینا ضرور قابلِ ترک ہے جو تاریخی حیثیت سے بے بنیاد ہون یا بڑی حد تک اُنکا وقوع ضعیف ہو تاکہ تعزیہ داری غلط اور خلاف واقع امور کی طرف منسوب ہونے سے محفوظ رہ سکے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فضول خرچی محرم کے رسوم مین بہت ہوتی ہے۔ مین نہین سمجھ سکتا کہ اس طرح کے اعتراض کرنے والون نے فضول خرچی کا مفہوم اپنے ذہن مین کیا لیا ہے۔

اسطرح تو انھین بہت سے اسلامی فرائض سے قطع تعلق کرنا پڑیگا۔

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ حضرات صرف مراسم محرم کو فضول خرچی کے تحت مین لانے پر کیون اسقدر مصر ہین دران حالیکہ بہت سی اور ایسی رسمین ملسکتی ہین جو فی الحقیقت مسرفانہ ہین بظاہر محرم کے مراسم روحانی کی بجا آوری مین کوئی اسرافی شان نظر نہین آتی ہر شخص اپنی حیثیت مد نظر رکھکر صرف کرتا ہے اور اگر بفرض اسکو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس افراط کی اصلاح کی ضرورت ہوگی نہ کہ رسم تعزیہ کے بالکل نیست و نابود کرنے کی۔

بعض حلقون سے یہ آواز بھی کبھی کبھی کانون مین آجاتی ہے کہ مجالس مین اسیری اہلبیت وغیرہ کے واقعات بیان کیے جاتے ہین جنسے صریحی اہانت اہلبیت و خاندان رسالت کی ہوتی ہے اسلیے ان تذکرون کا نہ کرنا اچھا ہے۔

مین یہ امر سمجھنے سے بالکل قاصر ہون کہ کسی شخص کی مظلومیت کے واقعات بیان کرنا کیونکر اس کی توہین کر سکتا ہے۔ مین تو علم النفس کے اصول کی رو سے یہ سمجھتا ہون کہ کسی مظلوم کے واقعات مظلومیت بیان کرنا قلوب مین اسکی عزت و وقعت پیدا کرنے کے مرادف ہے۔ مجالس میں ان واقعات کے تذکرہ سے محال ہے کہ کوئی سنجیدہ و شریف دماغ اہلبیت کی اہانت اخذ کرے البتہ یہ ضرور ہے کہ ان واقعات کا تذکرہ بنی معاویہ کو ذلیل ترین مخلوقات سمجھنے پر مجبور کر دیگا کیونکہ یہ دلخراش واقعات (ایک ششماہہ بچہ کا تیر سہ پہلو سے دست مبارک جناب امام حسینؑ پر عالم تشنگی مین شہید ہونا۔ بعد شہادت امام مظلوم حضرت سکینہ کو ایک ملعون ازلی کا طمانچہ مارنا۔ اشقیا کا جبراً مخدرات عصمت و طہارت کے سر سے چادر ونکا اتار لینا۔ شتران بے کجاوہ پر بے پردہ انکو اسیر کرکے لیجانا ایک مریض و ناتوان کے ساتھ شقاوت برتنا) یزید و عسکر یزید کی شقاوت و بہیمیت کو پوری عریانی کے ساتھ عالم آشکارا کرتے ہین۔

ہان اگر اس خیال کو (قدرے ترمیم کرکے) ان لفظون مین ترتیب دیا جائے کہ مجالس مین جو واقعات مظلومیت اہلبیت رسول بیان کیے جاتے ہین انسے ظالم پارٹی یزید و عسکر یزید کی بہت بڑی توہین ہوتی ہے اور یہ ہمارے لیے تکلیف دہ ہے لہذا انسے محترز رہنا ضروری ہے تو جماعت مخالف کی قدیمی روایات کی شان قائم رکھنے کیساتھ اسمین کچھ وزن پیدا ہو جائے لیکن اسکی موجودہ صورت تو عقلاً مضحکہ خیز ہی

خاتمہ

مین نے اِس رسالہ کے ابواب سبعہ مین پورے طورسے اِس امر کے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب امام حسینؑ کی شہادت روحانی ومادی جنگ کا ایک عبرتناک منظر تھی۔ جناب امام حسینؑ اور اُن کے صادق الوداد رفقا کے مقدس جسمون سے جو خون کی چھینٹین اُڑین اُنھون نے درحقیقت قصرِ شریعت کی گلکاری کی۔ جو مقدس نفوس محرم ۶۱ھ کی دسوین تاریخ مین مادی آنکھون کو خاک و خون مین غلطان نظر آئے وہ واقع مین منزل روحانیت کی آبادی و رونق کا قابل تعظیم سرمایہ بنے۔

بادی النظر مین گو ایسا معلوم ہوا کہ بہتر فخر ملائک انسان گرداب فنا مین ڈوب گئے لیکن یہ فریب نظر زیادہ پائدار نہ ثابت ہوسکا۔ حقیقت شناس نگاہون نے بہت جلد دیکھ لیا کہ وہ افراد جواب سے کچھ پیشتر ہلاکت کے خونین سمندر مین غرق ہوے تھے حیات دائمی کا تاج زرین سر پر رکھے ہوے مادی دنیا کی سطح سے بلند ہوے اور ہدایت وارشاد کی ضیا دے دنیا کو نورانی بناتے ہوئے روحانیت کے آسمان پر چاند سورج بنکر چمکے

گذشتہ اوراق مین اِس امر کو بھی مین نے ثابت کیا ہے کہ وہ برگزیدہ ہستیان جو شہادت کے خوفناک قلزم مین شناوری کرتی ہین اُن کا تذکرہ روحانی زندگی کا لازمی عنصر ہے۔

مین نے اسی ذیل مین اسکے واضح کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ اس تذکرہ کی موجودہ شکلین (اگر اُنمین تھوڑی سی اصلاح کر لیجائے) ہمارے روحانی مقاصد کیلئے پورے طور سے مفید قرار پاسکتی ہین۔

میرا یہ رسالہ ان مقاصد کو کہان تک پورا کرتا ہے اسکا صحیح فیصلہ ناظرین والا آئین کرینگے میرا کام کوشش کرنا تھا اور میرے فرض کی حدین یہین آکر ختم ہوجاتی ہین۔ اب رہا مقبولیت اور اسکے مفید ہونیکا سوال تو وہ دوسری قوت پر منحصر ہے۔

آخر مین ایک مرتبہ اور دُنیا کو اپنی قوم کا سچا ترجمان بنکر یہ تبلا دینا چاہتا ہون کہ شہید نینوا

قتیل نہر فرات ؑ کا تذکرہ اُنکی یادگار کا مستقل طور سے قائم رکھنا ہمارے خیال مین روحانی ارتقا کی ضروری شرط ہے۔ مخالف جماعت مین سے کوئی اسکی کتنی ہی تنقیص کرے کسی عنوان سے اُسکے مٹانے کی کوشش کرے ہمپر کسی شاندار لفاظی کا جادو نہین چل سکتا۔ فرضی خرابیون کے جس طلسم مین وہ ہم کو گرفتار کرنا چاہتا ہے ہم بصیرت کی مدد سے اسکی حقیقت پر پورے طور سے مطلع ہو چکے ہین اسلئے ہمارا صید فریب ہونا ناممکن ہو۔

جبتک ہماری رگون مین خون دوڑتا ہے ہم مظلوم و بیکس جناب امام حسین کی عزاداری ترک نہین کر سکتے۔ محرم کے دس دن ہم یقیناً غم والم مین صرف کرینگے ہماری مضطربانہ کیفیات پر ہنسنے والے ہنسین۔ ہماری سیہ پوش ماتمی صورتون کا مذاق اُڑانے والے مذاق اُڑائین کسی جماعت کا حدود سنجیدگی و رواداری سے گرا ہوا یہ متعصبانہ رویہ ہماری ضمیر کی آواز بدل نہین سکتا۔ ہمارے استدلالی مقدمات کی متانت نہین مٹا سکتا۔

جبکہ ہم نے خالص عقلی حیثیت سے عزاداری کے متعلق غور کرکے یہ فیصلہ کیا ہے کہ صرف اسی مضبوط بنیاد پر روحانی و اخلاقی ارتقا کی شاندار عمارت تیار ہو سکتی ہے تو پھر فسون ساز مغالطئین کے خوبصورت ہمدردی مین ڈوبے ہوے الفاظ ہمارے اِس خیال مین کیا تزلزل پیدا کر سکتے ہین۔

انکی یہ کوششین صرف اپنی قوتون کا ضیاع ہے۔ ایزدی ہاتھ جس کام کے سنوارنے مین مشغول ہون اسکے مٹانے کی سعی لاحاصل مین فانی انسان کا مستغرق ہو جانا مادی فطرت کی ایک عجیب ستم ظریفی ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

اختر شاہجہانپوری
گورنمنٹ جوبلی انٹرمیڈیٹ کالج
"لکھنؤ"